

TIGHT BINDING BOOK

brown book

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222704

UNIVERSAL
LIBRARY

شرح

دیوان اردوی غالب

حصہ اول

مصنف

خاکسار محمد عبدالواجد المتخلص بواجد

فرزند حضرت المرحوم

۱۹۰۲ء عیسوی

ہوافتح دیساپہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد الہی و نعت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخفی و مجتبیٰ ہے کہ جب رسالہ و ثبوت صراحت میری کوشش سے مجتمع ہو کر چپ گیا تو اسی دن سے میرا یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ اسکا ایک ضمیمہ لکھ ڈالوں مگر قلت فرصت کی وجہ سے ایک مدت معینہ میں مسلسل یہ کام کر نہ سکا کہیں کہیں کچھ غرض جب فرصت ملی اور جب طبیعت اُدھر آگئی لکھتا رہا اور اس کام سے ہمہ تن غافل نہ رہا آخر یہ کام ایک مدت مدید کے بعد خدا سے منعام کے افضال و اکرام سے انجام کو پہنچا اور یہ ضمیمہ میرے ارادے کے موافق کامل و پورا ہو گیا۔ بعد اختتام کے میں نے اس کے دو نام کہے ایک وجدان تحقیق اور دوسرا توضیح اشارات والہ اس ضمیمہ کے اندر بہت سی مفید باتیں میں نے مندرج کی ہیں جن سے ایک طالب فن اور شائق علم ادب بہت کچھ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ سراجی میرا کام نہیں اور نہ میں اسکو اپنے لئے تحریر جتا ہوں

بی۔ اسے کلاس کے چند جید طالب علم جو فارغ التحصیل ہوئے تھے
نظام کالج میں حضرت مولانا والہ مرحوم و معذور سے مرزا غالب دہلوی کا
اردو دیوان جسکی شرح کا یہ مضمیمہ ہے بطور سرکاری پڑھتے تھے اور سیکرٹری
و قاتل و کات جو مولانا می معذور کی زبان مبارک سے سنتے تھے اپنے دل و
دماغ میں لے لے تھے مگر افسوس ہے کہ وہ جو اہر گران بہا صفحہ قرطاس پر لکے
اور مولانا مرحوم کے سینہ کرامت گنجینہ میں ہی رہ گئے۔ گویا یہ ہی اردو زبان
کی ایک بد نصیبی تھی۔ با اینہم مولانا معذور نے جقدر لکھا ہے اس کے نتیج اور
مفید ہونے میں میرے نزدیک کوئی شبہ نہیں ہے۔ شائقان شعرو سخن اور پیروان
مرزا غالب کیلئے غنیمت عظمیٰ و موہبت بکری ہے۔ غیر از بن نیت کہ اس میں اور
بہت سے مضمون بڑی نایکی ضرورت تھی یہ کام دوسرے شارحین سے
ہو سکتا ہے چنانچہ میں نے اس کام کو انجام دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے مصرع
ہر کہ آمد مزید کرد بران۔ میرا دیوانہ دل و لوقی صراحت کے اختصار کو
نہیں دیکھتا بلکہ اُس کے اعتبار کو دیکھتا ہے اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بہت معتبر
ہے۔ ہر ایک لفظ جو اُس محقق کے قلم سے ٹپک گیا ہے میری نظروں میں

جو اہر زواہر کی قیمت رکھتا ہے۔ گوہیت سے حضرت اس کے مخالف ہوں گے
 مگر میرے دیوانے دل نے اس مختصر رسالے کے ساتھ عاشقی کا درجہ حاصل
 کیا ہے۔ ہمیشہ اُس کے حسن و جمالِ اعتبار کا جلوہ دیکھا کرتا ہے درحقیقت
 حسن اعتبار ہی عجیب شے ہے۔ ابدل اس کے مختصر ہونیکو تو ہرگز نہ دیکھ*
 دیکھ آخر کیا لکھا ہے حضرت استاد نے۔ چونکہ مرزا صاحب خاص دہلی کے
 باشندے تھے اور دہلی جیسے شہر میں جو ہندوستان کا دواغی السلطنت
 اور دروزبان کا دارالعیار رہا ہے اُن کی استاد ی کا ڈنکا بجایا ہے لہذا
 میری رائے میں مرزا صاحب کے اردو کلام پر زبان کے متعلق کوئی اعتراض وارد
 ہو نہیں سکتا۔ بلکہ اردو میں زبان کے متعلق مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے
 سب مستند اور مسلم الثبوت ہے۔ اور اُن دہلی والوں کے پاس جو دشمندہین
 مقبرے اور وہاں سے تمام ہندوستان میں سلجھے۔ ظاہر ہے کہ میرزا غالب
 دہلوی کوئی معمولی شاعر نہیں تھے اردو میں اُن کا شہرہ عالمگیر ہے دہلی میں
 مولانا فوق کے بعد اُن کا کوئی ہمسر نہوا۔ اس ضمیمہ کے اندر میں نے لفظی
 اور معنوی تحقیق میں کامیابی کے ساتھ بہت کوشش کی ہے اور اس واسطے
 وجدانِ تحقیق اسکا نام رکھا ہے۔ اور حضرت والہ مرحوم کے اشارات
 کی صراحت اور وضاحت کرنے میں بھی بہت کچھ دقت اٹھائی ہے اور
 اسی لحاظ سے اسکا دوسرا نام توضیح اشارات والہ رکھا ہے۔ غالباً
 حضرت والہ مرحوم جب نظر ثانی کرتے تو بہت سے مضمون اپنی شرح میں
 بڑا دیتے جن سے تمام شرح بالکل عام فہم ہو جاتی۔ میں نے کئی مضمون

اس ضمیمہ کے اندر اسی شرح کو یعنی حضرت والہ مرحوم کی شرح کو اپنا رہبر اور رہنما بنا کر لکھیں اور ان غیر مکمل نوٹوں کو اچھی طرح سے مکمل کیا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شرح دیوان غالب کی بنیاد حضرت والہ مرحوم نے ہی اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی ہے۔ حضرت نصف مرحوم کا انتقال عین نصف میں ہو جانے سے شرح غیر مکمل اور ناتمام رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ شخص خواص نہیں کر سکتا۔ چاہئے کہ ہر ایک شعر کا مطلب شارح بنفس نفیس تفصیل و تکمیل کے ساتھ بیان کر دے تاکہ لکھنے والوں کو خوش و رغور کی حاجت اور زحمت نہ پڑے لہذا میں نے انہیں دنوں سے جب کہ یہ شرح میرے جد و جہد سے چھپ گئی تھی اسکا ضمیمہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔

بنائے آئندہ دیکھتے ہیں پہلے آئندہ گر نہرو اپنے بھی عیب نہرو دیکھتے ہیں

حضرت قبلہ گاہی و استاد دی مولانا مولوی محمد عبدالعلی التخلّص بہ والہ رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ کی تحقیق اور تدقیق کو کوئی نا شخص ہے جو نہیں جانتا جن صاحبوں نے حضرت مرحوم سے علم حاصل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک ایک شعری اور ایک ایک مشکل اور پیچیدہ عبارت اور وقت طلب اشکال آمیز مضمون کے حل کرنے اور کہوتنے کے متعلق اسقدر عمدگی اور صفائی اور تفصیل اور صراحت شرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک شرح کے بیان کرنا چار چار اور آٹھ آٹھ روز کی مدت کافی و مکتفی ہوتی تھی اور کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا تھا جسکو بیان نہ کر دین اور خود اس خاکسار نے فارسی کے شعر اور انشائیہ کی کتابیں حضرت والہ مرحوم سے پڑھی ہیں لہذا اس بات کی

تصدیق کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ فی الحقیقت فارسی کے شعر اور انشا کے دقائق اور نکات کے بیان کرنے میں حضرت والہ مرحوم کو اعلیٰ درجہ کی دلچسپی و اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔ سیکڑوں اشعار حضرت مرحوم کو متحد المضمون یاد تھے کہ مجھل اور بر موقع اپنے ثنا گردوں کو نایا کرتے تھے جبکہ سننے سے مشکل مطالب آسانی ذہن نشین ہو جاتے تھے اور دقیق مطالب اور سجدہ مضامین کو متغیر پہلوؤں سے اس وقت تک مطالعہ العلم کے ذہن میں اچھی طرح سے آجائیں بیان فرمایا کرتے تھے۔

میرا یہ بیان اولیٰ تحقیق معنوی کے متعلق تھا اور تحقیق لفظی تو حضرت والہ مرحوم کے پاس ایک دنی بات تھی اور ان کے کمال کے مقابلہ میں تحقیق لفظی کا نام لینا انکار تہہ گہٹانا ہے۔ سرآمد تاریخ گویان زمین استاد مسلم الثبوت ابن فن عالی منزلت قدسی مرتب صاحب الفضائل المناقب جناب مولوی عبدالحی صاحب التخلص بہ وصف مددگار مہتمم بذریعہ تلافی کار عالی دام لطفہ مجاہد سے فرماتے تھے کہ سکند زمامہ نظامی علیہ الرحمۃ کے کسی ایک شعر کی معنوی تحقیق کے متعلق حضرت والہ مرحوم نے آجہہ ورق لکھ دیا ہے۔ افسوس کہ وہ شیعہ عموماً ایسی دلکشی اور مغرب طبائع ہوی تھی کہ عالم جناب فردوس مآب مولانا مولوی حیدر علی صاحب مناظر سنی و شیعہ و مصنف منتہی الکلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقل کر لی تھی۔

اگرچہ وہ شیعہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے اور یقیناً حضرت والہ مرحوم کے بہت سے نایاب تحریرات کے ساتھ وہ بھی نہیں معلوم کیا ہوی۔ مگر

اسمین کوئی شک نہیں کہ فارسی کے درسی اور غیر درسی کتابوں کے ساتھ
حضرت والہ مرحوم و مغفور کو فطرتی نسبت اور قدرتی لگاؤ تھا جو کسی طرح اور
کسی حالت میں کم نہیں ہوتا تھا۔ دیکھئے عارفی شیرازی غفر اللہ کے
اس شعر کی شرح کس عمدگی سے تحریر فرماتے ہیں۔

منکہ باشم عقل کل را ناوک اندازد **مرغ** اوصاف نواز اوج بیان انداختہ
نزد والہ پیمبران معنی و ترکیب شعر جان است کہ در صدر بیت حرف کاف
متضمن استفہام استحقاری است چنانکہ خواہ **حافظ** فرماید

منکہ باشم کہ بران خاطر عاظر گذرم **لطف** نامیکنی اینجا کہ درت تاج سرم
یہی ہے من درجہ شمارہ مقدم جائیکہ را می گرامی وضع ادب از اوج بیان عقل
کل مرغ اوصاف ترا بربانداختہ است پس ناوک اندازد ادب فاعل انداختہ و اوج
بیان مفعول فیہ و راستہ مابعد عقل کل اضافی است متعلق بہ اوج بیان مفعولی
و منشاء معالطہ همین است کہ این را را مفعولی دانستہ اند و از نادانستگی
در شبہ و مفعول افتادہ اند۔ ناوک اندازد ادب کنایہ از صفت حفظ مراتب
عقل کل نفس قدسی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و مرغ اوصاف اشارہ بہ حدیث
(۱) احصی ثناء علیک باشد فقط منقول از انشای والہ حصہ دوم صفحہ (۱۶۵)
اور دیکھئے مرزا غالب ہلوی مرحوم کتاب عود ہندی میں پیریں کاغذی
کے سنے لکھتے ہیں کہ ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے
بہنکر حاکم کے سامنے جاتا ہے جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ
کپڑا بانس پر لٹکا کر لیجانا تمت کلامہ اور حضرت والہ مرحوم و شوق صراحت

میں تحریر فرماتے ہیں کہ فریادیوں کا لباس جو قدیم میں دستور تھا۔ کنا یہ
 ہے عجز و بیچارگی و نظم و زاری سے۔ اب سنے اس اصطلاح کے
 معنی بیان کرنے میں مرزا صاحب نے جو غلطی کی ہے اسکی وجہ یہ ہے
 کہ مرزا نے فارسی کے قدیم لغات مثل بہارِ عجم اور برہانِ قاطع کے دیکھے
 تھے اُن لغات میں اس اصطلاح کے معنی صرف داؤد خواہی کے لکھدئے ہیں
 تو مرزا نے یہ سمجھا ہو گا کہ زمانہ حال میں بھی یہ طریقہ جاری ہے مگر حضرت
 والہ مرحوم نے جو شعر و سخن کے علاوہ تحقیق کے دلدادہ اور عاشق و شیدا
 تھے زمانہ موجودہ کے لغات اور نو تصنیف شدہ کتابوں کو دیکھا تھا لہذا
 حضرت مدوح سے ایسی غلطی نہوی چنانچہ فرسنگِ ابجمن آرا ہی
 ناصری میں میرزا ہدایت مرحوم جو پائے تختِ ایران کے امیر الشعراء تھے
 لکھتے ہیں کہ کاغذین جامہ کنا یہ از عجز و بیچارگی و نظم است چنانچہ خواجہ
 حافظ گفتمہ کاغذین جامہ بخونا بہ بشویم کہ فلک + رہنمایم بسوے
 علم داد نکرد + و رسم بودہ است کہ در ولایت در زمانِ نظم جامہ کاغذین
 می پوشیدہ اند و توقیر صراحت میں بعض جگہ الفاظ کے معنی ہیں
 اور نہ اشعار کے معنی میں بلکہ لفظوں کے نتیجے کچھ ہند سے لکھے ہوئے
 ہیں جو صرف دور و دراز کے اشارات میں جنکو ہر ایک شخص اور معمولی لیاقت
 کا آدمی ہرگز نہیں سمجھ سکتا مگر میں نے اُن اشعار کو اس طرح ہندوؤں
 کے ساتھ شرح میں درج کر دیا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اسوقت تک کوئی
 شرح دیوانِ غالب کی شایع نہیں ہوئی تھی اور عام طور پر بلا تخصیص

غالب کا کلام ادق مانا جاتا تھا لہذا میں نے یہ سمجھا کہ ان اشاروں اور
ہندسوں سے بھی کچھ نہ کچھ کام نکل آئیگا۔ کچھ نہونے سے تو ان اشاروں کا
ہونا بہتر ہے کیونکہ غور کرنے سے کچھ نہ کچھ معنی نکل آئینگے۔ اسی لحاظ سے
میں نے ایک لفظ کے معنی مل گئے تو ان کو بھی درج کر دیا۔ میری غرض
یہ تھی کہ شرح کا سرمایہ فراہم ہوتا جائے اور جہاں تک ہوسکے دقت اور
اشکال کم ہوتا جائے نہ یہ کہ میں اسکو کامل شرح سمجھتا تھا۔ کہی میں اسکو کامل
و مکمل شرح نہیں سمجھتا تھا لہذا میری سعی مشکور ہوئی چاہئے نہ مورد اعتراض
مرزا غالب ہوی کے کلام کی دقت کو کون نہیں جانتا اور ان کے اشعار
کے مشکل و دقیق ہونے کو کون نہیں مانتا۔ اسی وقت اور اشکال کی وجہ سے
بعض شعرا ان کے اشعار کو مہمل کہتے ہیں اور یہ قطعہ تو مشہور ہے قطعہ
اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے مگر کہنے کا جب ہر اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے
خود مرزا نے اسکا جواب یوں دیا ہے ۵ نہ تائیش کی تمنا نہ صلہ کی پروا +
نسہی گرمے اشعار میں معنی نسہی + اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا صاحب
بڑے نازک خیال و ردقت پسند تھے + ان کے کلام میں جو نزاکت اور دقت
ہے وہ فی الحقیقت خاقانی اور ظہوری اور بیدل اور جلال اسیر کی دقت
کلامی سے کچھ کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کلام عام فہم ہو نہیں سکتا۔ ایسے
کلام کے لئے شروح کی اور شارحوں کی ضرورت ہے اگرچہ خاقانی اور
ظہوری اور بیدل اور ناصر علی کے اشعار کی شرحیں موجود ہیں۔

مگر مرزا کے کلام کی شہر چین اب تیار ہو رہی ہیں فی الحقیقت خیال بندوں کا
 کلام شرح کا محتاج ہے برخلاف سلاست پسندوں کے کہ ان کا کلام
 عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے خیال بند شعرا کو یہ بات کہان نصیب ہے
 مرزا کے بعض اشعار جو وثوق صراحت میں مندرج نہیں ہیں اور درحقیقت
 وہ اشعار شرح طلب ہیں اور کسی نے آج تک ان کی شرح چنانکہ باید
 و شاید نہیں لکھی ہے یا تازہ مضمون میرے ذہن میں آگئے ہیں تو میں نے
 ویسے اشعار کی شرح ہی لکھ کر اس ضمیمہ کے اندر داخل کی ہے۔ بہر حال اس ضمیمہ
 کے اندر میں نے سیکڑوں عمدہ اور مفید اور دلکش مطالب مندرج کئے ہیں
 اور ضمیمہ کیا ہے بلحاظ مضامین کی کثرت اور کتاب کی ضخامت کے اصل
 شرح سے بہت بڑھ کر ہے۔

جب اس رسالہ کی قدر ہو گی اور یہ رسالہ سلماک میں منظور نظر اور مقبول قلوب
 ہو گا حضور صاحب سراج ارباب علوم سر حلقۃ اصحاب مہوم و مہیا لادبا استاد الفضلا
 سہ ہشاہ فضل و کمال۔ سرور و سرور علمائے ماضی و حال۔ مہربانی علم و ہنر
 قدردان کمال۔ رشک فداطون۔ غیرت افزا۔ سے اربطاطا لیس۔ عالیجناب
 فیضیاب آئینہ بل مولوی سید حسین صاحب جلالی۔ بی۔ سے۔ الخطاب
 بہ نواب موہن جنگ عباد الدولہ علماء و المملک بہا اور پریوٹ سرگرمی علی حضرت
 قدر قدرت بند کا تعالیٰ متعالی مدظلہ العالی و ناظم تعلیمات حیدر آباد و کن
 دام اقبال و اجلال اس سالہ کو اپنے ملاحظہ اقدس و اشرف مشرف و ممتاز
 نے اور پسند کر نیلے تو یہ خاک رس شرح کے دوسرے حصوں کو شایع کرے گا

جو فی الحقیقت قابل قدر اور لائق دید ہوں گے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرزا
 کے دیوان میں بہت سی باتیں شرح طلب اور نازک مطالب فی الحال موجود ہیں
 جو حل نہیں ہوئے اگرچہ اُن کے اشعار کی بعض شرحیں لکھی گئی ہیں مگر تاہم بہت
 یا کیزہ مطالب اُن شرحوں میں نہیں لکھے گئے اور وثوق صراحت اس شعر
 کے موافق ہے **○** دران نامہ کان گو ہر سفتہ راندہ بے گفتنی ہے۔
 ناگفتہ ماندہ۔ وثوق صراحت میں بعض جگہ نہ الفاظ کے معنی ہیں اور نہ اشعار کے
 معنی ہیں۔ صرف کچھ درودراز کے اشارات لکھے ہوئے ہیں جنکو حضرت مصنف
 مرحوم صراحت کے ساتھ لکھنے والے تھے مگر اجل نے صاحب موصوف کو
 اس قدر فرصت نہ دی **○** تیری فرصت کے مقابل سے عمر برق کو یا جفا
 باند تھے ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ میں نے شرح غیر مکمل کو مکمل کر دیا۔ چون کہ
 حال ہی میں مرزا کے اشعار کی بعض شرحیں شائع ہو گئی ہیں لہذا میرا اس قدر
 نقصان ہوا کہ بعض مضامین متواردہ و مطالب متحدہ کو اپنی شرح میں نکال لینا پڑا
 تاکہ تہمت سرور سے محفوظ رہوں۔ اس نقصان پر مجھے البتہ افسوس ہوا اس
 شرح میں میں نے بعض ابتدائی باتیں ہی درج کر دی ہیں۔ اُن سے میری
 یہ غرض تھی کہ اطفالِ مکتب بھی تفہیم ہوں نہ یہ کہ اپنی شرح کو طول دیکر دوسروں
 کی شرح پر فوقیت جتاؤں اور نہ یہ کہ ضخامت بڑھا کر الضربہ خواہ مخواہ مرد آدمی
 کا آراء صدقت بناؤں۔ میں نے اس شرح میں کہیں کہیں مرزا کے بعض اشعار پر
 کچھ اعتراضات سے لکھے ہیں اُن سے میری غرض نفسانیت اور تعصب یا ہزار کو
 بدنام و رسوا کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقت حال کا اظہار منظور تھا اور نہ اس سے

مرزا کی شان گہٹ سکتی ہے کیونکہ جو لوگ مشہور ہو گئے اُن کی شہرت کو کون روک سکتا ہے معہذا کوئی فرد شہرِ استثناء انبیاء اور رسولوں کے غلطی اور سہو اور سیان سے خالی نہیں ہے الا انسان مرکب مع الخطاء والنسبانی مشہور ہے۔ لہذا حضراتِ ناظرین سے یہ امید کی جاتی ہے کہ اس مجیدان کی تحریرِ بطورِ غور دیکھ کر شیوہِ عدل و انصاف اختیار کریں گے نہ طریقہِ جنگ و جدال جب وہ ثوقِ صراحت چپکے شایع ہوئی تو بعض صاحبوں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ مولوی صاحب اردو زبان میں شعر کہتے تھے یا نہیں؟ اگرچہ حضرت قبلہ گامی مولانا و آلہ مرحوم و مغفور کا فن اور پیشہ فارسی اور فارسی کی شعرو شاعری تھا مگر چونکہ کبھی کبھی اردو زبان میں شعر کہا کرتے تھے لہذا میں نے کہا کہ زبان چنانچہ صاحبِ موصوف کے دو تین اردو اشعار جو اس وقت مجھے یاد ہیں یہاں لکھتا ہوں

تاکہ یاد دلا رہیں وہ اشعار یہ ہیں

کیا مقابل ہو تری آنکھوں سے وہ چشم ہے زنگس کو مینا کی نہیں
ہیں تر سے حیرت زبے جون آئینہ لاکہ دیکھیں پر تماشائی نہیں

ولہ

دل تنگ ہے تنگیِ بیابانِ سربانِ جائے دامن جسے سمجھا تھا گریبانِ نظر آیا
اس زمین میں یعنی گریبانِ نظر آیا۔ بیابانِ نظر آیا اور طوفانِ نظر آیا میں حصہ
موصوف کے اور اشعار بھی ہیں مگر مجھے اس وقت یاد نہیں آتے۔

اس دیباچہ کے آخر میں اتنی بات کا ذکر کرنا نہایت ضرور ہے کہ جو دو وقتیں
بیتل اور ناصر علی اور ظہوری اور شوکت اور مرزا جلال امیر کے خیالِ بلند نہ

کلام میں موجود ہیں ویسی مشکلیں مرزا غالب بلوی کے تمام دیوان اردو میں جو
فی الحال مطبوع اور موجود ہے پائی نہیں جاتی ہیں مگر یہ بھی اُس میں بعض
اشعار اس قسم کے ہیں جو سردگم ہیں۔ اور کچھ تہ نہیں چلتا کہ مصنف کا اُن سے
کیا مقصود ہے۔ اور میں نے اُن اشعار کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے
شرح کے ملاحظہ سے معلوم ہو گا۔ فقط

الرافعہ خاکار
محمد عبدالواجد عفی عنہ و اجد

تمام شد ریساچہ

قصیدہ نربان فارسی طبع و تصنیف میں شرح و درجہ اعلیٰ حضرت
قوی شوکت قدر قدرت فریدون فکندر در دار و بان
قیصر شایستہ دوران فلاطون زمان حضور پر نور شیلا ر
منظر الممالک فتح جنگ نربان نوبیہ محبوب علی خان بہادر

نظام الملک اصفیاء آصف سلطان کن خلد املاک و دولته

ای دلبر گانه وای شوخ جاستان
حسنت که دل بود یکدم جهان جهان
کردی تو یکس گاه و دلم ریز ریز شد
بوده قوی دلم چون بران جنگجوی
آن دل که بود جلیش در بخت عقل
اکنون بکوه و دشت میابان سفر کند
جا داشت دل راحت و عشرت بسیم
آرام داشت در برین چمن دل خوش
از درد دور می تو شده پیرا خورد
بوده است بنجر زغم و غصه پیش ازین
زین جلد جور ماس و جفا با که کرده
تدبیر کار رفت ز دستم بدان روش
در عشق خویش حال الم کرده تبا
آن شاه نامدار که مشهور گیتی است
فرخنده چهر و نیک نهاد و هنر شناس
بیجا نورد و عدل شعار و ستوده کار
جان حکومت و دل عقل و امان ملک

معراج راجی

ای طالب بهانه وای بار راز دان
گوئی که بود بر سر من برق بے مان
تیر تو راست یک قضای بود سلیمان
لیکن شره ز جور تو بے طاقت لیان
دیوانه و ش قناده بهال تو دوان
آن دل که بود مسکن و باغ و بوستان
آواره اش تو کرده از خانه و مکان
در دست اضطراب اش داده عنان
هر چند بوده است دل بنده نو جوان
اکنون برت تابه نریاز دل فغان
دانم هلاک بود سر تو نه امتحان
گوئی بلامی صعب بدل رنجت آسان
گروی نمی هیچ خوف ز عدل شه بهان
والا تبار فیض رسان حاتم زمان
عالی خیال تازه کلام و کوبیان
خورشید دستگاه و سخن فهم و تر زبان
ایمان عدل راحت خلق و شه جهان

گاه نبرد جلوه ده تخت کامیاب
 آوازه شجاعت او شد چنان بلند
 از تیغ خونچکان وی داور انسان او
 تا شیر عدل دست کرد گلشن دکن
 اهل دکن بدور عدالت شعرا او
 اسن از برای اهل دکن عالم گشته است
 تمهید در زمانه او در ترقی است
 از کثرت مدارس از شوکت علوم
 صنایع و تجارت و کسب و فنون خوب
 در کشورش تجارت هر شهر و هر دیار
 در عهدش انتظام صفای چنان بود
 نظم و نسق چنان بدکن گشته است که
 حفظ رعیتش کند این شاه کامگار
 شاهی بسان حضرت آصف دین اند
 در در و دیوار ملک کن جمع گشته اند
 زبان جمله طوبی است و اگر نمی و هم امیر
 بحر سخن زور معانیت موجزن
 ملک کن ز کوشش در رنگ گرفت
 لے مدعی که دعوی باطل همی کنی

وقت نشاط غیرت حبس گیران
 دشمن فرار سیکند از خوف چون زنان
 هم سینه هم گلوئی عدو میخورد ز زبان
 شهباز و کبک اگر است بیک شاخ آشیان
 ایدل جدا شودند چگونه ز خان جهان
 تخصیص نیست تا هم باشد در امان
 دوران او ز دولت جم میبد نشان
 یونان نظیر گشته دکن در همه جهان
 آمد ز چار سو بد یارش جهان جهان
 دارد ترقی ز رفیوضش کان کان
 یک قطره آب چرک نیز در زانو دان
 گوئی نمانده است در دست سپاهان
 ز انسان که حفظ کرد خود و سینه نشان
 سنجید مو جلیه جوان بخت و کاروان
 ارباب علم و فضل و گرامی سخنوران
 هم عاشق است ترقی هم مرغ خوشنشان
 تا ابر کلک شاه دکن شد که نشان
 آس ازین مکتب بود آرایش مکان
 کین انتظام شاه چنین است آن چنان

در عهدش انتظام صفای چنان بود
 نظم و نسق چنان بدکن گشته است که
 حفظ رعیتش کند این شاه کامگار
 شاهی بسان حضرت آصف دین اند
 در در و دیوار ملک کن جمع گشته اند
 زبان جمله طوبی است و اگر نمی و هم امیر
 بحر سخن زور معانیت موجزن
 ملک کن ز کوشش در رنگ گرفت
 لے مدعی که دعوی باطل همی کنی

بکناهی چشم را و نظر کن که هر طرف
یابد وجود از پی درگاه شاه ما
دور در عدن نسیم گلشن روان بتن
این آب گشت آن شده خون برای چه
روز ازل بحکم قضا و قدر بود
گشته دکن خلاص ز تیسرا و بله
هر کس بسپرد بر زبانشن با من عیش
و اجد چو مدح شاه نوشته نمی شود
برینج بزر اعظم و برینج تجس شور
این دولت این حکومت و این حسن نظام
هم از میان کرمت رب جانواز

فیض عمیم شاه روان است چشمان
بودر سمن عقیق بمعین گهر کان
بودر چمن شربین گل بنار دان
بنودر جود شاه چو شرمندہ بحر کان
خوش قدر بندگان بخواه شہ گران
ملک است بچوشتی و تدبیر باد بان
بالجمله شد دکن ز وجودش یکی جهان
باری بر آردست و دعا را کثا ز بان
یارب شود حکم و می از فضل تو روان
مستحکم از عنایت حق باد جاودان
افزون شود قدر بخواه بندگان

در این چکامہ سرودنستم حقیقت است
اے شاعران نیک اندام

تمام شد قصیدہ

و ثوق صرحت پر رولوز

نوٹ۔ اب میں پندرہ رولوز جو و ثوق صرحت پر لکھے گئے ہیں ذیل
میں درج کرتا ہوں اور ان رولوز کو درج کرنے سے پیشتر ایک تعزیت

جو عالیجناب ریج۔ پی ہاؤسن صاحب بہادر سابق پرنسپال نظام
کالج نے اس خاکسار کے نام حضرت والہ مرحوم کے انتقال کے بعد ارسال
فرمایا تھا بطور یادگار نقل کرتا ہوں کیونکہ اس تعزیت نامہ سے حضرت
والہ مرحوم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ تصنیف کا اعتبار مصنف
کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ مصنف کے اعتبار سے ناواقف
ہوتے ہیں وہ جو چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔ اور میں اس تعزیت نامہ کو
حضرت والہ مرحوم کے کل تصنیفات کے لئے عمدہ رویہ خیال کرتا ہوں
اور اسی لئے اسکو رویہ زمین درج کرتا ہوں اور چونکہ رویہ زمینی درخواست پر
لکھے گئے اور چھپ گئے لہذا ہر قسم کے رویہ خواہ انہیں تعریف ہو یا
نزدت ہو ہر صورت میں انکا یہاں مندرج کرنا لازم ہے فقط

الراحم

واجد عفی عنہ

تعزیت نامہ منجانب افلاطون زمان اسطوی دوران

عالیجناب فیضآب ریج۔ پی ہاؤسن صاحب بہادر

سابق صدر مدرس مدرسۃ العالیہ سرکار عالی

وپرنسپال نظام کالج واوستا د علیحضرت

حضور پر نور سلطان دکن خلد اللہ ملکہ -

The Nazim College

نظام کالج

حیدر آباد دکن

Hyderabad Deccan

No. نمبر (۱۳۳)

Dated ۲۸ جون ۱۸۹۲ء

No بذلت

مورخہ ۲۸ جون ۱۸۹۲ء

جناب محمد عبدالواجد صاحب

نہایت افسوس ہے کہ مدرسہ عالیہ ایک شہور عالم کو ہمیشہ کیلئے
 کہو بیٹھا۔ مولوی محمد عبدالعلی صاحب والہ کے انتقال کا صد جہ شاعی
 اور ہمہ دانی میں شہور آفاق اور امور تعلیم و تربیت میں کہنہ شاق تھے
 مجھ کو اُسے یاد ہے۔ جتنا آپ لوگوں کو ہو گا۔ مولوی صاحب مرحوم کی
 عمدہ راہنہ اور نیکہ خدمتیں کہی فراموش نہیں ہو سکتیں۔ سچ تو
 یہ ہے کہ ان کے جیسا شخص نہ تھے سے ان کی جگہ ہمیشہ کے لئے
 خالی ہے۔ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ بخشے۔ آپ کو طازم
 کر آیا کریں انما یوفی الصابرین اجرہم بغير حساب ہ کو اپنی نصیب
 رکھنے دوسرے متعاقبین کی تسکین اور تسکینی فرامین نقط

H. H. Hodson

جی پی ہاڈسن

(نقل دستخط)

پرنسپل

اخبار جریده روزگار مدراس جلد (۲۷) شماره (۲۲)

مطبوعہ یکم جون ۱۹۰۱ء

ہندوستان بھر کی عام ملکی اور قومی اردو زبان جس نے آج کے دن قریب قریب ایک مکمل علمی اور شایستہ زبان کی حیثیت پیدا کر لی ہے اسکا بیج بونے والا اولیٰ اس خوش آئندہ سرزمین دکن کا بسنے والا تھا۔ جمین رہنے اور بسنے کا مین بھی آج نہایت ہی بھاری فخر حاصل ہے۔ جسکا یہ لگایا ہوا پودا اپنے اصلی باغ سے دوردلی اور لکھنؤ جیسے مرکز قریب شہروں کے نہایت بخش چمنوں میں پہولتا پہلتا رہا اور جنہیں اس بات کا بہت ہی درست اور واقعی فخر رہا ہے کہ ہمارے ہی بالکمال شعرا اور ادبا نے اس نازک پودے کو سہو مہر زمانہ کی سختیوں مرہا سے بھانسنے ندیا۔

قدر کی منحوس گھڑی جس نے دہلی جیسے مرکز تمدن شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اسکا بن بنایا نقشہ بالکل ناپیدا بنا دیا۔ خود اردو زبان کے حق میں کچھ کم مصیبت پہونچا نیوالی نہ تھی۔ اور بہت سے شکستہ دل درد میں ڈوبے ہوئے یہی سمجھ رہے تھے کہ ہندوستان کی قدیم مکمل زبانیں جب دنیا سے رخصت ہو چکیں تو پہر اس نئی نازک زبان کا کیا ٹھکانا ہے جسکی ابھی ابتدائی حالت ہی درست نہونے پائی تھی۔ مگر زمانہ جس نے ہر وقت بالکل حیرت میں مچو بنا دینے والے مرقعے

پیش کرتے رہنا اپنا فرض منصبی قرار دے لیا ہے دفعتاً ایک نیا ورق
 اُلٹا ہے۔ سرسید کی دلکشا و موثر آواز نے اردو زبان کے لئے
 ایک بالکل نیا راستہ کھول دیا جو اس سے پہلے بالکل بند تھا اور طرح سے
 سرسید کی تعلیمی کوششوں کے لئے دولتِ آصفیہ نے اپنی
 تائید سے روحِ بیونک ہی اس طرح اردو و لٹریچر اور دو شاعری کو سنبھالنے
 کے لئے زندہ دل و کئی اٹھ کھڑے ہوئے جنہیں اردو کی پرداخت کا
 اصلی حق حاصل تھا۔ اور وہ دکن ہی کی سخن سنجی اور فیاضی ہے جس نے
 آج اردو کو نہ صرف دنیا سے نام اور خست ہونے سے بچایا بلکہ
 اُسکے ایک طویل مدت تک زندہ و برقرار رہنے کے سامان نہیا کر دئے۔
 وہ دکن ہی ہے جس نے ہمارے اعلیٰ حضرت حضور نظام
 خلد اللہ ملکہ کے عہدِ مہینتِ مہدین اردو زبان کو سرکاری زبان
 قرار دینے سے ایک ایسا بہاری فخر اردو کے لئے پیدا کر دیا جس سے
 تمام ہندوستان غالی ہے۔ اردو و لٹریچر اپنی اس جلد اور تخیل کو نیا
 ترقی کے لئے جتھہ و کُن کے بارِ احسانات میں دبا ہوا ہے ہمیں اپنی
 زبان سے اُسکے کہنے کی ضرورت نہیں جب کہ اردو کا مشہور سے مشہور
 اعلیٰ درجہ کا مصنف خوب سمجھتا ہے حیدر آباد نے اُسکے ساتھ کیسی مدد
 کی ہے۔ اور کس طرح اُسکے ساتھ بے منت احسانات کئے اور کیوں کر شوق کی
 باتوں سے اُسکی کتابوں کو لیا۔

وہ حیرت انگیز ترقی جو اعلیٰ حضرت حضور نظام کی بدولت علم و تہذیب کی

ہر ہر شاخ میں نظر آ رہی ہے اور جس سے خود زبان اردو محروم نہیں کہی جاسکتی اور جس کے بارے میں بے تکلف یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ حیدر آباد اور اردو زبان شاید بہت ہی قریب عرصہ میں لازم و ملزوم سمجھے جائینگے اور اسکی ایک معمولی نظیر یہ کتاب **و ثوق صراحت** ہے جو اسوقت بغرض ریو یو ہمارے روبرو اور پیش ہے۔

یہ کتاب مولوی عبد العلی صاحب الہ مرحوم و مغفور کی تصنیف ہے جنہیں انہوں نے مرزا غالب مرحوم کے اُن اشعار کی نسبت جو عام طور پر ایک عقدہ مالا نخل خیال کئے جاتے ہیں ضروری چیدہ باتیں درج کی ہیں اور گویا ایک مختصر سی شرح کہی جاسکتی ہے۔

والہ مرحوم کے لائق فرزند مولوی محمد عبد الواجد صاحب نے اس کتاب کو اپنے قابل تدریاب کی یادگار قائم رکھنے اور شاعری کا ذوق رکھنے والوں کو ایک نیا شعبہ دینے کی غرض سے چھپوایا ہے۔ کتاب کی چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ چار کھا گیا ہے۔

غالب مرحوم کی شاعری کے متعلق جنکا نام ہندوستان کے ہر اردو خوان کو معلوم ہے۔ ہندوستان کے مشہور ادیب اور مصنف مولانا حالی نے یادگار غالب میں جس عالی خیال کے ساتھ بحث کی ہے اسکی بعد اب پھر کچھ لکھنا بے وقت کاراگ الاپنا ہے۔

باقی رہی والہ مرحوم کی شہرہ والہ مرحوم کی فارسی شاعری اور فن ادب کی تحقیق دکن بھر میں مسلم مانی جاتی ہے۔ اُن کے فیض یافتہ

بکثرت ملین گے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتاب یادگار غالب کے شائع ہونے کے ایک مدت پیش تر چھپ کر شائع ہو چکی تھی۔ اور گوا سوقت متعدد لیبیق اشخاص نے اسی مضمون پر کتابیں لکھی ہیں مگر اتفاقاً یہ کہنے میں کمی شامل نہیں ہو سکتا کہ جقدر ضروری اور اہم باتیں لکھنی ہتین وہ والہ مرحوم لکھ چکے۔ اور گوا اپنے پیچھے آئیوا لون کے لئے انہوں نے بہت سے کام چھوڑے ہیں جیسا کہ تمام انسانی کاموں کا عہدہ ہے مگر جس کام کو وہ خود کر گئے ہیں بجائے خود بے نظیر کہا جاسکتا ہے۔ ہین تمام اردو کا مذاق رکھنے والے اشخاص سے امید ہے کہ وہ اس کتاب میں بہت کچھ لطف پائینگے۔ کتاب مولوی عبد الواجد صاحب مدرس شی ہائی سکول بلدہ حیدر آباد سے مل سکتی ہے۔

رسماء معارف (۴) کلدنمبر (۸) واقع پانی پت بطبعہ اگست ۱۹۰۱ء

مولوی محمد عبدالعلی خاں صاحب والہ مرحوم مدرس نظام کالج حیدر آباد دکن نے جو اس کالج میں بی اے کلاس کو اردو پڑھایا کرتے تھے وقتاً فوقتاً اردو زبان غالب پر کچھ مختصر نوٹ قلمبند کئے تھے۔ ان نوٹوں کو ان کے فرزند ارجمند مولوی محمد عبدالواجد صاحب و اجدر مدرس خاں سنی ہائی اسکول حیدر آباد دکن نے ایک جگہ فراہم کر کے کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے اور حال ہی میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی ضخامت (۱۲) جنرو کی ہے اور شارح مرحوم کے فرزند ارجمند مولوی

محمد عبدالواحد صاحب و آجد سے (عالم) قیمت پر مل سکتی ہے۔ کاش ان نوٹوں کو موجودہ حالت میں نہ چھپوایا جاتا کیونکہ ہمارے نزدیک ایک طالب علم کو جو غالب کی نازک خیالیوں سے واقف ہونا چاہتا ہے اس کے مطالعے کو فی بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر سہروٹ کو پھیل کر شرح کا حق ادا کیا جاتا تو یہ شرح البتہ مفید ہو سکتی تھی۔ علاوہ اس کے طریقہ شرح اور طرز بیان میں بھی بے انتہا اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہماری رائے میں یہ شرح جسکو شرح کہنا کسی حالت میں زیب نہیں دیتا اگر موجودہ صورت میں نہ چھپوانی باقی تو بہتر تھا۔

گلدستہ خزانہ لفظی (۵) نمبر واقع لکھنؤ مطبوعہ اپریل ۱۹۰۱ء

اس نام کی ایک شرح کلیات اردو میرزا غالب کبر آبادی مرحوم حال ہی میں آباد دکن سے شائع ہوئی ہے اور اس پر ہماری رائے طلب کی گئی ہے۔ ہم غالب کے دیوان کو حل طلب نہیں بلکہ تبصرہ طلب خیال کرتے ہیں اور مثنوی میں کہ ملک میں کوئی ایسا پیدا ہو جو غالب کے کلام کی تراکبتیں اور اس کے حکیمانہ خیالات پر ایک مبسوط تبصرہ تیار کرے۔ لیکن جب تک یہ نہیں ہوتا اس وقت ایسی شرحیں بھی غنیمت ہیں جو لفظی معنی سمجھا سکتی ہیں اور غالب کے دقیق کلام کو عام فہم بنا سکتی ہیں۔ خریداری کتاب کے لئے منشی عبدالواحد صاحب و آجد مدرس اول سٹی مائی اسکول حیدر آباد دکن سے خط و کتابت کرنا چاہئے۔

گلدستہ معیا جلد (۳) نمبر (۳) واقع لکھنؤ مطبوعہ اگست ۱۹۰۱ء

۱۹۲ صفحوں کی ایک مہتمم بالشان کتاب سوقت ہمارے سامنے ہے لائق مصنف صاحب نے حقیقت بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے اس ہم اور ضروری کام کو باحسن وجہ انجام دیا۔ یہ کام ہم تو اس وجہ سے تھا کہ نثر زمان حضرت غالب کے اردو دیوان کی تصریح کی گئی اور پھر نہایت ہی سہل الممتنع طور پر عام فہم زبان میں۔ اور ضروری یہ کہ اس وجہ سے تھا کہ اکثر ضرورت سے زیادہ محقق نیز شاعر و حضرات اس کلام باعث نظام کو جہان کہیں نہیں سمجھتے ہیں آہائے معنی فرمادیا کرتے ہیں۔ لہذا اس رسالہ کے مصنف نے بہت ہی اچھی طرح نہ سمجھتے ہیں آہائے معنی فرمادیا کر دیا۔ گو اس سے قبل رسالہ پروانہ کے ایڈیٹر جو اپنے آپ کو مجدد وقت لکھتے تھے ہیں اس خدمت کو بجا لچکے ہیں لیکن میری نظر سے پروانہ کے کل مسلسل پرچے نہیں گزرے اس وجہ سے اسکا فیصلہ مشکل ہے کہ اس معرکہ میں گو کے سبقت کون لے گیا اور اس نیک نامی کا سہرا کس کے سر رہا۔ تاہم مجدد وقت صاحب کی خود پسندی کے دیکھتے اتنا پتا چلتا ہے کہ صاحب و ثوق صراحت ہی قابل تحسین و آفرین ہیں۔ آج کل ملک میں ترقی تعلیم کے دیکھتے ہمیں امید ہوتی ہے کہ ملک اس جواہر بے بہا کو بڑی قدر سے ماتون ماتہ لے گی۔ کاغذ نہایت ہی عمدہ چھپائی بہت صاف قیمت کتاب کا حجم دیکھتے بہت کم صرف (۵) علاوہ محصول۔ حیدر آباد دکن

تمام شد ریلویوز بروٹھوق صراحت

آغاز قطعات تاریخ طبع و ترجمان تحقیق

تاریخ از کلام معجز نظام سرآمد تاریخ گویان زمین و ستاد
 مسلم البتوت این فن - رشک ظهوری - غیرت نظیری سخن فہم
 واقعی واقف اسرار جلی و خفی - عالم تنجہ - علوم و فنون شیر فہرہ
 ماہر محقق کامل - مدقق فاضل - امام فن تاریخ دانی - ببل
 ہزار داستان بہارستان معانی - صاحب التحقیق - مالک
 التدقیق - صاحب خلاق حسن - خداوند سخن فیاض زبان
 یکتاے دوران - اعتمضا داخوان عالیجناب فضائل آب
 فواضل انتساب مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب قبلہ
 التخلص بہ وصف مددگار اول مہتمم بدست علاوہ کرامت

و تلمیذ خاص حضرت والہ مرحوم و مغفور -

خدا را فراموش و سپاس و ستایش
معانی لغز و مضامین نادر
بشیرین بیانی مذاق خرد را
به تفصیل باشد عدیل مطول
شروح اندر اکثر بخوبی ولیکن
بعین نہرین چو کحل الجواہر
اگر شعر نو طرز غالب نفہی
چراغ مجالس سراج محافل
نظیر خودش بہت خود او بخوبی
اگر حل معنی اشعار غالب
جمال رخ شعر غالب نموده
پذیرند منتش شعر غالب
نہیں تا بنا کے بتالیف آمد
بدام سطور است گیسوے خوبان
سطور است یا سلاک لوی لالا
اگر فی المثل شعر باشد گلستان
سرا سر درست و سزاوار باشد

کہ دلخواہ شد شہر شرح و اجد
سراسر بود درج در شرح و اجد
و ہذوق تنگ شکر شرح و اجد
با جمال چون مختصر شرح و اجد
بود از ہمہ خو بہتر شرح و اجد
بحشم بدان نیشتر شرح و اجد
نگہ کن تو اسے دیدہ و شرح و اجد
بود نزد صاحب نظر شرح و اجد
نذار دہیم دگر شرح و اجد
بتوضیح خواہی نگہ شرح و اجد
بر آؤ خود جلوہ گر شرح و اجد
کہ دادش بہلے دگر شرح و اجد
بر آؤ بروے گہر شرح و اجد
بود و لکشت دل شکر شرح و اجد
کش خط بروے گہر شرح و اجد
جانا بود بار و بر شرح و اجد
نویسند اگر زاب نہ شرح و اجد

خرد گفت با وصف تبارخ طبعش | دهد انشراح و گسترش ح واجد
۱۹ | ۱۳ هجری

قطعه تبارخ از کلام معجز نظام پیشرو صاحبان سخن مقبول
اساتذہ این فن - لاریب یکتائے زمانہ - بے شبہ ہر گمانہ
صائب مقام - قوی کلام - معجز نظام - صاحب دتگاہ عالی
انواع نظم را والی - بدرنیر اوج کمال - شاہد معنی را یوسف
جمال - فردوسی نشان - جامی بیان - نیر عظم آسمان
تحقیق خلاصہ محققان صاحب تدقیق - فلک البروج
کمال - آفتاب عروج لازوال - امام فن سخن شاعر مضمون
آفرین حضرت ذی مکرمت مولانا مولوی محمد صدیق حسن
المتخلص بہ عاشق صدر مدرس فارسی مدرستہ العالیہ کراچی

دیو فیض نام کالج حیدرآباد دکن دایم لطفہ

داد معالی خوب بداد
شرح گزین مقبول فواد
طالب معنی یافت مراد
چشم بدش یارب مراد
بر سر چشم خویش نهاد
لفظ درشت محض سداد
وہ چه محلے نقش مداد
کحل عیون اہل سواد
نکتہ ترش قابل صاد
حاصل او تفصیل زیاد
صنفہ حسن واجاد
شرح مبین بر عقدہ کشاد

حضرت واجد ذہن رساش
بر سخن غالب بنوشت
مطلب مشکل زوشده حل
وہ چه نگار سے جلوہ فرور
ہر کہ بدیش از رہ قدر
معنی خوبش عین صواب
وہ چه مصنف بین سطور
نور قلوب اہل صفاء
رفر شکرش لایق صفت
شامل او تقریرج تمام
مدخر التہلیل و من
سال چوبتم گفت سرش

قطعة یارخ از طہوری ظہور و نظیری نظیر فصیح اللسان بلین
البيان سرعلاقہ شعرای اردو پروانہ شمع شبستان گفتگو
صاحب الفضائل المناقب جناب مولوی محمد کاظم صاحب

کتوری المتخلص بشیفته ساکن حیدر آباد کن

جب مشرح ہوا اردو دیوان شرح یہ وآلہ و واجد نے لکھی مخبر سال پین منقوطہ حروف	اور روشن ہونا نام غالب جس سے ظاہر ہے مراد غالب اب چہی شرح کلام غالب
--	---

رباعی تاریخ از قلم شکین ترسیم چراغ شہستان گرمیانی
سراپا شعلہ طور بخندانی جناب تودہ مناقب میوزارش علیہ
المتخلص بمعرفہ زناد جہند جناب شعلہ صاحب مرحوم

ہے قابل شکری و جد صاحب ہاتف کے کہلے لکھنے سال تاریخ	کیا خوب لکھی ہے شرح بہر طالب مطبوع ہے یہ حل کلام غالب
--	--

قطعہ تاریخ صنعت توشیح از افکار گوہر بار بلبل خوش الحان
گلستان سخن واقف اسرار این فن شیفته شیدو ابیانی
نغمہ سنج بہارستان بخندانی جناب لوی سید محمد علی صاحب
نعمانی ملیح آباد ہی لکھنوی المتخلص بپیشش دایم لطفہ

نوشت شرح بدایان اردو غامی کتب
خیال و آبد خوش فکر چون جو غنود
زعطریزے انکار ہر دو اہل کمال
نوشت عرش سبز او بصنعت تو شیخ

دلیل اہل سخن وآلہ بلند فکر
شہ ضمیمہ تازہ بطرز نویتار
شمیم زلف سخن جان میدد در اشعار
حروف فرق مصارع گیرے تکرار

۱۹۳۱ھ

قطعہ تاریخ از گوکبخت زندہ اوج سخنوری کا سیاب کامران میدان
فصاحت گستری بلاغت نشان گوہر نشان شیرین بیان
جناب الامناقب آس صاحب شاپوری صدر انجمن جلالتحاد
ووائس پریسڈنٹ آف محمدن عثمانیہ کلب حیدرآباد دکن

آفرین بر حضرت واجد کہ بہت
چون رقم فرمود این نایاب شرح
گفت ہاتھ سال طبعش ایچنین

چرخ شعروشاعری را آفتاب
بر کلام غالب عالیناب
روح افزا بہت شرح لاجواب

۱۹۳۱ھ

ولہ ایضاً

کرد تصنیف چو ابن شرح جناب واجد
خوابم از فلک پیر چو سال طبعش

بدل و جان ہمہ عالم شدہ آنرا کلام
ہاتھم گفت مگر شرح کلام غالب

۱۹۰۲ء

قطعہ تاریخ از سخنور شیرین مقال شائق کمال مورخ ہمشال

نیک خصال ستودہ مناقب جناب میرا و علی صاحب
اعظم تمہید حضرت دل غ دہلوی ساکن حیدرآباد دکن

چنین شرح نبوت و آجد کنون سن عیسوی گفت اعظم سر و شس	رہشتم عدو خون حسرت چکید انگر شرح دیوان غالب پدید ۱۹۰۲ء
---	--

و

کہی شرح زیبا جو واجد نے اعظم کہی مین نے تاریخ بے چشم بداب	ہوا انکا احسان اہل نظر پر چہی آج وجدان تحقیق بہتر ۱۱ ۱۳
--	---

ایضاً

کم مین و آجد کے سے یہاں عالم مشفق من جناب و واجد نے سر اعظم سے مین نے سال کہا	ذی عنایت شفیق و نیک شیم شرح چہو الی جبکہ اسے اعظم منزل اوج رشک باغ ارم ۱۹۰۲ء
---	---

ایضاً تاریخ و رنشر

جامع الکدالات وجدان تحقیق
۱۹۱۳ ہجری

قطعہ تاریخ از مورخ شیرین مقال جناب ستودہ منامت

سید علی رضا صاحب سلمہ اللہ الواہب

کہ جس سے مطلب مشکل عیان ہو چپی ہے شرح زیبا تم کہاں ہو کہی تاریخ مرغوب جہان ہو	کہی و آجہ نے ایسی شرح نایاب چلو روڑ و خسرید و شائقواب سر امید سے ہاتھ نے یارب
---	---

قطعہ تاریخ از مولخ شیرین گفتار ستودہ مناقب جناب

سید یوسف علی صاحب سلمہ اللہ الواہب

جکار یکبا نہیں نظم ویرال میرے استاد ہیں وہ نیک خصال کہہ بلند اختر شئی واجد سال	شکر صد شکر چپ گنی بہ شرح جو مصنف میں اسکے اے یوسف کوئی پوچھے جو سال طبع کتاب
--	--

قطعہ تاریخ از سید محمد ان خاکسار محمد عبد الواجد المتخلص بہ و آجہ
مصنف وجدان تحقیق فرزند حضرت والہ مرحوم و مغفور

زین شرح تازہ ام کہ بعد آب طبع شد شرح جدید و مفرد نایاب طبع شد	دارم امید قدر ز نو اعجاز ملک ہاتھ سرود مصرع جربت تالش جنین
--	---

ایضاً

گشت چو اسے یارب بعد آب طبع	شرح چنین نادرو پاکیزہ تر
----------------------------	--------------------------

گفت بن ماتف غیبی سنش	شرح رشت دلکش و نایاب طبع
----------------------	--------------------------

۱۹ س ۱۴

ایضاً

شرح تازہ حامل رخصر جدید	کرده ام تصنیف خوش مرغوب بند
طالب معنی غالب بودہ اند	آرے این شرحی بود مطلوب بند
سال طبعش خود بخود آید غیب	شرح مضمون آفرین محبوب بند

۱۹ س ۱۴

ایضاً

ہر کہ دیدین حل و این شرح جدید	از کمال شترخی گل گل شکفت
ماتف غیبی سن طبعش بن	شرح مضمون آفرین بسوط گفت

۱۹ س ۱۴

تمام شد تواریخ طبع کتاب

نوٹ - جن صاحبوں نے میری شرح کی تاریخین کہی ہیں میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور چونکہ قدیم سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ کتابوں کے آخر یا اول میں تاریخین اور تقریظیں درج کی جاتی ہیں۔ لہذا میں نے بھی یہ تاریخین شکرپیکے ساتھ یہاں درج کی ہیں خصوصاً عالیجناب مولوی عبدالحی صاحب وصف اور عالیجناب مولوی صدیق حسن صاحب عاشق کا میں نہایت شکر گزار ہوں اور فی الحقیقت ان دونوں معزز و محترم بزرگوں کی تاریخین مجھے خاکسار کے لئے سرمایہ ناز و باعث افتخار ہیں فقط

درجہ غیبی

صحیفہ وثوق صرحت شرح دیوان اردو غلی لب دہوی

نوٹ - (=) یہ علامت جو براکٹ میں لکھی ہے مساوات کی ہے۔
 انگریزی میں یہ قاعدہ ہے کہ جس لفظ کے معنی بیان کرتے ہیں اُس لفظ
 کے بعد یہ علامت بنا دیتے ہیں۔ مساوات کی علامتیں اور ڈیش اور
 اشعار کے تعدادی ہندسات و وثوق صرحت میں میں نے لکھے ہیں چونکہ مساوات
 کی علامت اردو کی شرح میں ایک تازہ ایجاد تھا لہذا کہیں کہیں مجھے
 کچھ سہو ہو گیا ہے لہذا میں نے نظر ثانی کر کے مع دیگر اغلاط کتابت
 یہ ضحمت نامہ مرتب کیا ہے۔ اور (-) یہ علامت جو براکٹ میں لکھی ہے
 فصل کی ہے جو انگریزی میں ڈیش کہتے ہیں فقط و اجد غفی عنہ

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
-	=	۵	۹	-	=	۱	۵
دیدہ خواب	دیدہ	۷	۹	-	=	۸	۵
-	=	۷	۹	-	=	۱۱	۶
-	=	۸	۱۰	-	=	۱۲	۶
-	=	۹	۱۰	-	=	۱۱	۷
-	=	۱۰	۱۰	-	=	۱۵	۷
-	=	۱۱	۱۰	ک	کو	۹	۸

نمبر	غلط	صحیح	نمبر	غلط	صحیح
۱۰	=	-	۲۲	=	-
۱۱	=	-	۲۴	=	-
۱۲	=	-	۳۰	=	-
۱۲	اشد	اشد من	۳۵	=	-
۱۲	=	-	۳۵	=	-
۱۲	=	-	۳۶	=	-
۱۲	=	-	۳۷	=	-
۱۲	=	-	۳۷	=	-
۱۲	چار جو	چارہ جو	۳۷	=	-
۱۳	=	-	۳۸	=	-
۱۳	=	-	۳۹	=	-
۱۴	ناموس ناموس	ناموس	۴۰	=	-
۱۴	کا	کی	۴۰	=	-
۱۸	=	-	۴۰	=	-
۱۸	=	-	۴۱	=	-
۱۹	کے	کی	۴۱	=	-
۱۹	اپنی	میری	۴۱	=	-
۲۰	ٹپڑ پچھ	ٹپڑ پ	۴۱	=	-
۲۱	کا	کی	۴۲	=	-

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
-	=	۴	۵۳	کی	کی	۳	۴۳
تھی	تھا	۹	۵۴	-	=	۱۴	۴۳
-	=	۱۵	۵۵	تاکہ	کہ	۱۴	۴۳
اک	یک	۱۶	۵۵	اسکی	اوسکی	۱۶	۴۳
-	=	۳	۵۶	-	=	۱۴	۴۴
میری	اپنی	۸	۵۷	ہو جاتی	ہو جاتا	۱	۴۵
کو	کی	۱۴	۵۷	کرتا ہے	کیا ہے	۸	۴۵
-	=	۷	۵۸	پر	کا	۱۷	۴۵
کو	کی	۱۶	۵۸	ہی	ہی	۱۲	۴۶
-	=	۲	۶۰	-	=	۱۱	۴۷
-	=	۵	۶۲	-	=	۱۳	۴۹
کہ	کر	۹	۶۲	-	=	۲	۵۰
نویندہ	تویندہ	۱۶	۶۲	گداز	گزار	۵	۵۰
کے	کی	۱۷	۶۲	پھونچے	پونچے	۲	۵۱
خوف -	خوف =	۵	۶۳	رخ نگار -	رخ نگار =	۱۱	۵۱
اُن	ان	۱۴	۶۳	کرتا ہے	کرتی ہے	۲	۵۲
آئے	آئے	۱	۶۴	ہیم قبیلہ -	ہیم قبیلہ =	۷	۵۲
حقیقت -	حقیقت =	۱۰	۶۴	جلے	جلے	۱	۵۳

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
ہم تو	ہم	۱۵	۷۱	عزت	عرب	۱۰	۶۴
استجاری	استجاری	۷	۷۲	-	=	۱۴	۶۴
نہیں	نہیں	۸	۷۴	مشاہد	مشاہدہ	۱۴	۶۴
جسکو	جسکا	۳	۷۵	آئندہ	آئینہ	۳	۶۵
-	=	۸	۷۵	کہہ ہے	کہہ ہے	۱	۶۷
-	=	۸	۷۵	-	=	۲	۶۷
تہی	تھی	۱	۷۸	وہ طاقت	طاقت	۶	۶۷
تہی	تھی	۲	۷۸	-	=	۱۴	۶۷
صرصر	سر سر	۴	۷۸	الغ	الغ	۲	۶۸
آئندہ	آئینہ	۶	۷۸	جانتا ہے	جانتا ہے	۱۰	۶۸
پا	پا	۷	۷۸	دیا ہے	دی ہے	۲	۶۹
-	=	۱۵	۷۸	ہے	ہی	۱۱	۶۹
اپنی	اپنا	۹	۷۹	یون	پون	۱۵	۶۹
اس سے	اُس سے	۱۱	۷۹	اس کی	اس کا	۱	۷۰
قوت	قوت	۱۱	۸۰	-	=	۴	۷۰
نہ ہونے	نہ ہونچا	۱۲	۸۰	-	=	۱۴	۷۰
گر	اگر	۱۳	۸۰	یہاں تک	یہاں تک	۶	۷۱
-	=	۱۴	۸۰	-	=	۱۰	۷۱

نمبر	کلمہ	غلط	صحیح	نمبر	کلمہ	غلط	صحیح
۸۱	کو	کوک	کو	۹۴	آب	اب	آب
۸۱	ہاتون	ہاتھون	ہاتھون	۹۵	الح =	الح -	الح =
۸۱	ہین =	ہین -	ہین -	۹۶	=	=	=
۸۱	دھوڑے	دھوڑے	دھوڑے	۹۶	سجھنی مجال ہے	سجھنی مجال ہے	سجھنی مجال ہے
۸۲	الح =	الح -	الح -	۹۷	آینہ	آئینہ	آئینہ
۸۳	وہ	وہ	وہ	۹۷	=	=	=
۸۴	ہم	ہم	ہم	۹۷	=	=	=
۸۴	الح =	الح -	الح -	۹۷	مقنم ہے	مقنم ہے	مقنم ہے
۸۵	=	=	=	۹۸	نکمون	نکیون	نکیون
۸۵	=	=	=	۹۹	عقاہی =	عقاہی -	عقاہی =
۸۶	سرگران -	سرگران =	سرگران =	۱۰۰	=	=	=
۸۶	=	=	=	۱۰۲	الح =	الح -	الح =
۸۹	=	=	=	۱۰۲	نکبت	نکبت	نکبت
۹۰	الح =	الح =	الح =	۱۰۲	=	=	=
۹۰	سنگون =	سنگون -	سنگون -	۱۰۲	الح -	الح =	الح =
۹۰	نال	نال	نال	۱۰۲	در	در	در
۹۲	سکتے	سکتے	سکتے	۱۰۴	خراب	گیتی خراب	گیتی خراب
۹۴	=	=	=	۱۰۶	داغ سامان	داغ سامان	داغ سامان

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
-	=	۵	۱۲۹	گل	گل با	۱۶	۱۰۶
-	=	۸	۱۲۹	اُسکے	اُن کے	۱۶	۱۰۶
-	=	۱۴	۱۳۰	فراغت	فراغت	۱	۱۰۹
-	=	۱۷	۱۳۰	نظارہ	نقارہ	۱۰	۱۰۹
-	=	۶	۱۳۱	-	=	۱۳	۱۱۲
الخ -	الخ =	۱۰	۱۳۱	آے	آئے	۴	۱۱۳
-	=	۱۳	۱۳۱	-	=	۱۱	۱۱۵
باد پیمائی	باد پیمائی	۹	۱۳۳	بالفرض	بالغرض	۱۴	۱۱۶
در مقام	مقام	۳	۱۳۴	مری	میری	۶	۱۱۹
خزانے	خزانہ	۶	۱۳۴	-	=	۷	۱۱۹
سیری	میرا	۳	۱۳۵	-	=	۵	۱۲۲
جسکو	جسکا	۱۶	۱۳۵	بازار	گلزار	۱۶	۱۲۶
ریشہ دوانی	رشتہ دوانی	۳	۱۳۶	-	=	۷	۱۲۵
کے اندازے	کی اندازی	۷	۱۳۶	-	=	۱۳	۱۲۵
-	=	۵	۱۳۷	-	=	۱۵	۱۲۶
کبی	کے	۸	۱۳۷	الخ -	الخ =	۱۲	۱۲۷
شوخ	شوق	۱۴	۱۳۷	-	=	۲	۱۲۸
کی	کا	۳	۱۳۸	میرے	میری	۱۴	۱۲۸

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
ہی	ہے	۱	۱۵۷	ہنگام آرا	ہنگام آرا	۱	۱۳۹
-	=	۱۰	۱۵۷	چھوڑ	چھوڑ	۱	۱۴۱
-	=	۱۰	۱۵۷	آئینہ	آئینہ	۴	۱۴۱
-	=	۱۳	۱۵۷	دیدہ حیران	دیدہ حیران	۶	۱۴۱
-	=	۱۵	۱۵۷	سانو کی	سانو کا	۱۱	۱۴۳
-	=	۱۵	۱۵۷	الغ	الغ	۱۳	۱۴۴
ہجران کی	ہجران کی	۹	۱۵۸	قدم	قدم	۱۴	۱۴۴
میکشی	میکشتی	۱	۱۶۰	کی	کا	۴	۱۴۵
تھے	تھی	۱	۱۶۰	لفظ	لفظ	۱	۱۴۶
الغ -	الغ =	۹	۱۶۰	نگار لغ	نگاہ لغ	۳	۱۴۷
تفای	تفای	۱۵	۱۶۰	بڑھی	بڑی	۴	۱۴۷
-	=	۱۲	۱۶۲	پروا	پر دا	۸	۱۴۷
یعنی عاشق کے	یعنی عاشق	۱۷	۱۶۲	کس نے کر	کس نے	۱۳	۱۴۹
تحت جگر	=	۱۵	۱۶۲	پریش	پریش	۸	۱۵۰
-	=	۱۰	۱۶۷	-	=	۱۷	۱۵۲
بجہ کے	بچکے	۱۰	۱۶۷	-	=	۱۰	۱۵۳
گوئج کے	گوئچکے	۳	۱۶۹	نامیدی	نامیدی	۱	۱۵۵
گر گئی	گر گئی	۱۳	۱۷۰	آئینہ	آئینہ	۱۴	۱۵۵
شکار	شکا						

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
گڑوا دیا	گڑوا دین	۳	۱۷۵	-	=	۱۵	۱۷۰
درد خواری	درد خواری	۱۱	۱۷۵	آئینہ	آئینہ	۹	۱۷۱
-	=	۵	۱۸۲	اسکو	اسکا	۸	۱۷۲
طاق	طلاق	۶	۱۸۲	پوچتے تھے	پوچتے تھے	۱۵	۱۷۴

تمام شدہ صحت نامہ مرتبہ ناکسار محمد عبدالواجد عفی عنہ و آجد

نوٹ معارف کے ریمارک پر یہ صحت نامہ نہایت احتیاط کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ شائقان کلام غالب اس کے مطابق تصحیح کر لیں گے۔ الحمد للہ اب کوئی غلطی باقی نہ رہی فقط واجد عفی عنہ
۵ مئی ۱۹۰۲ء عیسوی

مَا شَاءَ اللَّهُ فَعَلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

حصه اول باب الف

وَتَوْقِ صِرَاحَتِ
وَجِدَانِ تَحْقِيقِ
اس ضمیمہ کو

فَاكْسَارُ مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْوَجْدِ وَابْنُ الْخَلَصِ فَرْزَنْدِ عَالِي الْخَبَابِ لَا نَا لَمْ يَسْتَوْحِ مُحَمَّدٌ
وَالْأَمْرُ مَرْحُومٌ مَغْفُورٌ وَمَدِينٌ كَوْزَنْتِ سَيِّدِي بَانِي السُّلُوكِ حَيْدَرُ دَوْلَتِ تَضَعِيفِ

سَاوَدِ كَرَمِ قَرَنِ بَرِ بَرِ بَرِ بَرِ بَرِ
مُطَهَّرِ دَلِ فَحْتِ وَاعِ الْإِلَهِ دِينِ



نقش فریادی ہر کسی شوخی تحریر کا کاغذی ہی پرین ہر پیکر تصویر کا

چونکہ تصویر اکثر کاغذ پر ہوتی ہے لہذا تصویر کو کاغذی پرین یعنی پوشاک کاغذی
دارندہ قرار دیا ہے۔ اس شعر کے اتنے معنی ہو سکتے ہیں کہ تصویر پر بان
حال سے تعظم و فریاد کرتی ہے مگر ان معنوں میں کوئی لطف و رمز آگت
نہیں کیونکہ اس سے حاصل کچھ نہیں اور تاویل و تفسیر میں بہت کچھ گنجائش ہے
چنانچہ بعض لوگ اس شعر کو تصوف میں لئے جاتے ہیں اور صوفیانہ معنی
بیان کرتے ہیں مگر خود ان کو یقین نہیں کہ مقصود قائل یہی ہو۔ اور یہی
مکن ہے کہ مرزا نے مولانا سے روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے
بشنواز نے چون حکایت میکند و ز جلدانی ما شکایت میکند
یہ مضمون اخذ کیا ہو یعنی نئے کی جگہ نقش و شکایت کی جگہ فریاد اختیار کیا ہو
اور اسی لحاظ سے اسکو دیوان کا مطلع قرار دیا ہو مگر یہ مضمون اس مطلع سے

صراحت اور وضاحت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ مولانا کے شعر میں جدائی کا
 لفظ ایسا ہے کہ جس سے شعر کے معنی آسانی سے معلوم ہوتے ہیں معہذا وہ
 شہسوی ہے اور علم تصوف کے متعلق ہے۔ مولانا نے مدوح نے مضمون
 کو سلسلہ وار تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس مطلع میں وہ بات کہان
 غزل کے شعر میں اس قدر تعقید معنوی معیوب ہے گویا معنی کا خون کرنا ہے کسکی
 شوخی تحریر اور ہر پیکر تصویر یہ ایسے الفاظ ہیں جو شعر کو مورد طعن بنا رہے ہیں۔
 کیا خدائے پاک کو کوئی عاقل شوخی یعنی جسارت کے ساتھ منسوب کر سکتا ہے۔
 اس کا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں شعر سے فصاحت شعار کا یہی دستور رہا ہے
 کہ تعقیدات معنوی سے اجتناب و احتراز کرتے رہے تاکہ کلام مہمل اور بے معنی
 نہ ہو جائے۔ پیر میں کا غدی = فارسی والون کی اصطلاح ہے۔ اس کے
 معنی وثوق صراحت میں دیکھئے۔ نقش = صورت و نگار و تصویر۔
 نقوش اس کی جمع ہے اس شعر میں نقش یعنی تصویر آیا ہے۔ فریادی =
 فریاد کنندہ۔ فریاد کرنے والا۔ مگر اردو کے قاعدہ سے تصویر چونکہ تائید
 پہنچایا نہ فریاد کرنے والی کہنا چاہئے یعنی تصویر کی شوخی تحریر کی فریاد
 کرنے والی ہے۔ فریادی میں جو یاے تھمائی آخر میں ہے اس کو
 یاے فاعلی کہتے ہیں کیونکہ اس یا کے معنی اسم فاعل کے ہوتے ہیں۔
 کا غدی = منسوب بہ کاغذ۔ کاغذی کی یا۔ یاے نسبتی ہے۔ پیر میں =
 اس لفظ میں باے فارسی کو کسرہ ہے پیر میں۔ یعنی پوشاک و لباس۔
 پیر یاں و پیراہن و پیرہند اس لفظ کے مترادفات ہیں۔ پیر میں اصل میں کرتہ کو

کہتے ہیں مولاناؒ روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **س** حالیا دل دانم تراقتہ
 بوے پیرا مان یوسف یافتہ است ۛ اور سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
س زمرش بوے پیرا ہن تیدی ۛ چہرہ چاہ کغاشن ندیدی ۛ
 پیر ہن سیما بی و پیر ہن آبی - اسکے دو سر مرکبات ہیں - پیکر =
 بروزین قیصر کا لہذا اور جثہ اور صورت اور تن کو کہتے ہیں - یہاں عضو
 اور جثہ کے معنی ہیں اور پیکر بمعنی بت بھی آیا ہے لہذا بت خانہ کو پیکرستان
 بھی کہتے ہیں مگر اس شعر میں یہ معنی مقصود نہیں ہیں - شوخی بوا و مجہول
 طراری و بیباکی اور اس لفظ کا اطلاق اشیاء ذات الحکمت میں ہوتا ہے
 محقق کامل ادیب فاضل میرزا ہدایت مرحوم امیر الشعراءؒ پاسے تخت ایران نے
 فرنگ سخن آراء ناصر میمن اس لفظ کی تحقیق کے متعلق لکھا ہے کہ در میان
 عوام شوخی کردن بمعنی طرافت کردن معروف شدہ و لطیفہ گفتن بمعنی بد و کنا گفتن
 و ہر دو بخلاف است و شعر شوخ را بمعنی معشوق خوش خلق شہرت دادہ اند و بعلط
 مشہور شدہ شیخ سعدی رح بمعنی اصل ملاحظہ کردہ و گفتہ **س** شوخی مکن
 ایدوست کہ صاحب نظر نہند ۛ بیگانہ و خویش ازین دہشت نگر اند ۛ شوخ چشم
 و شوخ دیدہ معشوق بے چار و طرار - شیخ سعدی رح گفتہ **س** پسے شوخ چشم
 و کشتی گیر ۛ شوخ چشمی کہ بگلد زنجیر ۛ انتہی حاصل یہ کہ لفظ شوخ بمعنی طرار و
 بیباک و دلیر آیا ہے اور یہ لفظ معشوقوں کی صفت میں ہی استعمال ہوتا ہے
 اور اسکے معنی طریف الطبع اور معشوق خوش خلق کے غلط ہیں - اس کے مرکبات
 شوخ چشم - اور شوخ دیدہ - اور شوخ رو - اور شوخ زبان - اور شوخ طبع - اور

اور شوخ طبیعت اور شوخ تراز و صیحا اور استعمال اور شہور میں - چونکہ روزمرہ اور بول چال میں اہل سان و او معروف و مجہول میں کچھ فرق نہیں کرتے لہذا شوخ کو او معروف کے ساتھ ہی بولتے ہیں اگرچہ وہ اصل میں بوا و مجہول ہے - ہندوستان میں شوخی بمعنی خوبی بھی مشہور ہے چنانچہ شیخ ناصر علی سرہندی کہتے ہیں ۵ باین شوخی غزل گفتن علی انکس نمی آید - بایران میفرستم تا کہ میگوید جوابش را چنانچہ تذکرہ گلزار اعظم میں شیخ ناصر علی کے اس شعر کے تحت میں شوخی کے معنی خوبی لکھے ہیں مگر اہل لغت نے اس معنی کو نہیں لکھا ہے - غالباً یہ مجازی معنی ہونگے - مرزا غالب مرحوم کے اس مطلع میں ہر اور پیکر کے الفاظ را د اور خوشو قیچ میں کیونکہ صرف اس قدر کہہ دینا کہ تصویر کا پیرہن کاغذی ہے ادائی مطلب و اظہار مضمون کے لئے کافی و مکتفی ہے مگر یہ بھی اشتباہ ہو سکتا ہے کہ الفاظ تاکید کی غرض سے لائے ہیں کاغذین جامہ یعنی کاغذی پیرہن فارسی میں آیا ہے -

کا و کا و سخت جانی ماتہائی نہ چہ	صبح کرنا شام کا لانا ہے حوی شیر کا
----------------------------------	------------------------------------

یعنی میں شب فراق میں صبح ہونے سے پیشتر مر جاؤنگا - کا و کا و - حاصل بالمصدر ہے کا ویدن کا - کا ویدن - کے معنی میں کہو دنا - کا و کا و یعنی تفحص اور تجسس اور تراشنا اور زمین کہو دنا - اصل میں خزانون اور دینوں کی تلاش کو کا و کا و کہتے ہیں مگر یہ لفظ استعمال کے لحاظ سے لفظ عام نہیں ہے بلکہ خاص موقع پر بولا جاتا ہے یعنی ناخن سے دماغ

یا زخم کے کہو دے اور کریدنے کو کاوکا و کہتے ہیں۔ کاوتنہا امر کا صیغہ ہے
 کاویدن سے۔ اوسکی تکرار سے یعنی کاوکا و کہنے سے حاصل مصدر بنایا گیا ہے
 اور کاوش اسکا مترادف لفظ ہے جو کاقتن کا حاصل مصدر ہے۔ مین نے
 بعض صاحبوں کی زبان سے سنا ہے کہ لفظ کاوکا و پر اعتراض کرتے تھے
 اور کہتے تھے کہ یہ لفظ غیر فصیح ہے اور غزل مین لانے کے قابل نہیں ہے
 مگر خاکسار یہ کہتا ہے کہ اس لفظ کی صحت اور فصاحت مین کوئی شک نہیں ہے
 چنانچہ عربی شیرازی رحم فرماتے ہیں ۵ بے گریہ دوستدار تو آرام گیر نیست
 یا کاوکا و دیدہ دل یا گریتن ۶ اور میرزا صائب رحم فرماتے ہیں ۵
 از کاوکا و آن پر خرم ام بے خبر ہنوز ۶ نگر فتنہ خون من زبان نیشتر ہنوز ۶
 سخت جان = مددہ جاندار ہے جسکی جان اسکے بدن اور قالب سے دیر اور
 مشکل کے ساتھ نکلے۔ آسانی سے اسکی جان اسکے جسم سے جدا نہو یہ اسم
 صفت ہے از قبیلہ اس نیک سیرت و جوان نجت و دراز قامت وغیرہ یعنی ایک
 اسم صفت اور دوسرے اسم غیر صفت سے مرکب ہے۔ سخت جانی = اُسکا
 اسم ذات ہے بمعنی مصدر یعنی سخت بننا ہونا سخت جانی مین جیایا ہے وہ یا ہی مصدر ہی ہے
 کیونکہ اس یا کے معنی مصدر کے طریقہ ہوتے ہیں۔ جب اسم صفت کو اسم ذات
 بنایا جاتے ہیں تو اسم صفت کے انجیر و خرمین یا سے مصدری لگا دیتے ہیں۔
 جیسے نیکی و بدی یعنی نیک ہونا اور بد ہونا مثلاً اس شعر کے مصرع اول مین پوچھ کی
 جگہ پیرس رکھ دیا جائے تو سالم مقعر مصرع فارسی ہو جاتا ہے مصرع
 کاوکا و سخت جانی ماسے تنہائی پیرس روں۔

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا جائے

سینہ شمشیر سے باہر ہے دشم شمشیر کا

سینہ شمشیر = یعنی صدر شمشیر شمشیر کی دھاری۔ سینہ شمشیر فارسی کے اہل
 لسان کی اصطلاح نہیں ہے یہ ترکیب میرزا صاحب کے اختراعات میں
 سے ہے اہل لسان دم شمشیر اور دم تیغ اور دم خنجر اور لب تیغ اور دہن تیغ اور
 روئے تیغ کہتے ہیں اور اس کی ضد پشت شمشیر ہے مرزا صاحب فرماتے
 ہیں **پشت شمشیر** سوال از دم بود خونریز تر از خامشی را بدتر از ابرام میدانیم ما
 مرزا غالب کے اس شعر کے مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے
 اس شعر میں شمشیر کو سینہ سے تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ بالکین اور اکڑنا
 اور تننا ہے اگر شمشیر کو مشبہ اور سینہ کو مشبہ بہ قرار نہ دیں تو معنی شعر میں خلل
 واقع ہوتا ہے یعنی شمشیر کو شخص ذمی روح قرار دینا پڑے گا جو نئے لطف اور
 پُر تصنع بات ہے بلکہ شعر پر ایہ بلاغت سے بالکل گر پڑے گا۔ شعر کا مضمون
 ظاہر ہے کہ دم شمشیر جو شمشیر سے باہر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق جو شائق
 شہادت ہے اس کے جذبہ بے اختیار شوق نے اس کو تلوار سے باہر
 کھینچ لیا ہے۔ شمشیر = مرکب ہے شمشیر سے شمشیر معنی ناخن اور شمشیر
 اسد زندہ مشہور چونکہ تلوار کی شکل ناخن شمشیر سے مشابہت رکھتی ہے لہذا
 فارسی میں تلوار کو شمشیر کہتے ہیں۔

اگر ہی ام شنیدن جقدر چاہے چہاے

مداغقا ہی اپنے عالم تقیر کا

غالباً مرزا نے یہ شعر اپنے اُن اشعار کی نسبت کہا ہے جو طرز خیال بندی میں

فکر کئے ہیں اور طریقہ تبدیل رح پر کہے ہیں کیونکہ جو اشعار صاف ہیں اور نکادعا
تو اظہر من الشمس ہے اور مرزا کے صاف اشعار کی حلاوت و لطافت
اور ان کی عمدگی اور دلچسپی اور ان کی شیرینی و تازگی کل استادوں کے
پاس مقبول اور جمہور کے نزدیک مسلم ہے اور انہیں صاف اشعار سے
مرزا کی استادی کا ڈنکا تمام ہندوستان میں بجا ہوا ہے۔ مرزا غالب کے
جو اشعار سید ہے سادے اور صاف ہیں وہ مرزا رفیع سودا رح اور میر تقی میر
کے اعلیٰ اور منتخب اشعار سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مرزا نے راستی اور سچائی کی
راہ سے یہ شعر کہا ہے اور اس شعر میں اپنی خرابی طرز کا آپ ہی اعتراف کیا ہے
اسی کو انصاف کہتے ہیں درحقیقت مرزا بیدل اور شیخ ناصر علی اور مرزا جلال
اسیر اور مرزا غالب وغیرہ نے جو اشعار خیال بندی کی روش ناسنجار پر
کہے ہیں وہ مہل اور بے معنی نہیں ہیں تو کیا ہیں۔ ہر ایک شخص انکا ایک
علیحدہ معنی بیان کرتا ہے۔ بہلا یہ بھی کوئی جادہ گفتار ہے۔ سر اسر در
وسر مایہ آزار ہے۔ ایسا کلام خیالات بنگ کا ہمدوم و راز دار ہے۔ یا بقول
مرزا غنقا کردار ہے۔ چونکہ اس شعر میں مدعا کو غنقا قرار دیا ہے لہذا شنیدن
کو دام کہا ہے۔ میر کی جگہ اپنے تاکید کی غرض سے کہا ہے آگہی =
واقفیت و شناسائی۔ آگاہی کا مخفف ہے اس شعر میں آگہی کو صیاد اور
شکاری سے تشبیہی ہے کیونکہ شنیدن دام اور مدعا غنقا ہے تو ان کیلئے
کوئی شکاری ضرور تھا۔ شبہ بہ کو جو صیاد ہے حذف کر دیا ہے اور اس کو علم
بیان میں استعارہ بالکنایہ اور استعارہ بالکنایہ اور استعارہ مکنی کہتے ہیں۔

اور دام و عنقا قرنیہ ہے اور یہہ استعارہ تخیلیہ ہے۔ یعنی قرنیہ کو استعارہ
تخیلیہ کہتے ہیں۔ استعارہ مکنی کا پورا بیان علم بیان میں دیکھئے
معلوم ہوگا۔ دام بچپانا = دام ستردن کا ترجمہ ہے مدعا = مطلب
عنقا = بالفتح عربی میں سپرغ کو کہتے ہیں اس طائر کی گردن دراز ہوتی
ہے بعض لوگ عنقا بالضم کہتے ہیں اور یہ غلط ہے اس پرندے کے
متعلق قسم قسم کی نقلیں مشہور ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس پرندے کا
وجود قدیم زمانہ میں تھا اور اب نہیں ہے آدمیوں کے بچوں کو اٹھا کر
لے جایا کرتا تھا اور یہہ اسکی غذا تھی لہذا کسی پیغمبر صاحب کی بددعا سے
کوہ قاف میں محصور اور بند ہو گیا بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسکا وجود فرضی
کیونکہ کسی نے اسکو نہیں دیکھا ہے بہر حال ہاکیطرح عنقا بھی ایشیا
کی شاعری کا جزو اعظم ہے اور یہاں کے شعرا نے اسکے متعلق بہت سے
شاعرانہ مضمون پیدا کئے ہیں۔

بسکہ ہون غالب سیری میں بھی آتش زنیہ | موے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

مطلب یہ ہے کہ میرے پاؤں میں زنجیر نہیں ہے۔ حالانکہ میرے پاؤں میں زنجیر
پہنا دی جاتی ہے مگر اسکے حلقے میری آتش عشق سے موے آتش دیدہ کی طرح
جلباتے ہیں اور میں سزا پا آزاد اور غیر مقید بن جاتا ہوں۔ مرزا نے
اس مضمون کو دوسری جگہ اسطرح بیان فرمایا ہے ۵ مانع دشت نور دمی
تبدیر نہیں نہ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں ۶ غالب ۷ منادی

یعنے اسے غالب موی = بال - آتش دیدہ = آگ دیکھا ہوا -
 یعنے وہ شے جسکو آگ لگی ہے - آتش دیدہ اسم صفت مرکبے جو دو اسموں سے
 مرکب ہوا ہے ایک تو اسم ذات یعنے آتش اور دوسرا اسم مفعول یعنے دیدہ -
 اسیری = قید - آتش نیریا = اسکے مجازی معنے میں مضطر و مٹیاب
 مگر یہاں مجازی معنے مراد نہیں ہیں بلکہ حقیقی معنوں کو اختیار کیا چاہئے تاکہ
 شعر کے معنی میں خلل واقع نہ ہو - بسکہ = بسکہ اور از بسکہ اور بس اور بس
 یہہ چاروں لفظ مترادف ہیں اور کثرت اور افراط و فراوانی و بہتات کے
 معنوں میں آتے ہیں - بسکہ اور از بسکہ اور از بس اردو زبان میں استعمال میں
 مگر بس بمعنی افراط و کثرت صرف فارسی میں آتا ہے نہ اردو میں - اور ان
 لفظوں میں کاف کا حذف کر دینا جائز ہے اور کبھی حرف از کو بھی حذف
 کر دیتے ہیں - بسکہ یعنے کثرت اور افراط سے اور از حد کہ - یہاں سوال
 پیدا ہوتا ہے کہ از بسکہ اور بسکہ میں جو کاف ہے یہ کس قسم کا ہے اسکا جواب
 یہہ ہے کہ کاف زائد ہے اور یہہ کاف کاف صلہ اور کاف بیان بھی ہو سکتا ہے
 اسمین از سبب و تعلیل کے لئے آتا ہے - بس کے معنے میں بہت
 اور کافی اور خاموش یعنے خاموش ہو بصیغہ امر - عسجدی رح نے آتش
 زمستان کی صفت میں کہا ہے ۛ بس کس کہ زردشت بگردید و کنون
 باز ۛ ناچار کند رو سے سوی قبلہ زردشت ۛ بس کس - یعنے بہت لوگ
 بہت سے اشخاص حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۛ اول آخر
 قرآن زچہ بادوسین ۛ یعنے اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس ۛ بس یعنے

کافی و مکتفی و کفایت کنندہ۔ کسی کا فارسی شعر ہے **س** رور و کتہ کسایت تو
ناگفتہ بہ است + بس بس کہ حکایت تو نشفتہ نکوست۔ بس بس یعنی خاموش
ہو خاموش ہو۔ بسند اسکا مترادف ہے۔

حضرت تحفہ الماس رخسانع جگریدہ

سبا کا دس غمخوار جان درمند آیا

تحفہ اور رخسان اور ہدیہ یہ تینوں لفظ مترادف ہیں۔ تحفہ اور ہدیہ عربی لفاظ ہیں
اور رخسان فارسی کا لفظ ہے۔ شاعر نے جراث اور الماس اور داغ جگر کو
تحفے قرار دے ہیں اور ان تحفوں کو جان درمند کے غمخوار اور غم گسار
مقرر کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو مصائب و مشکلات ہم پر پڑتے ہیں
ہم اُن کی برداشت کرتے ہیں اور ہمت نہیں ہارتے بلکہ اُن کو تکلیفوں اور
مصیبتوں کو آرام و راحت خیال کرتے ہیں اور اسی واسطے اُن کو غمخوار جانتے ہیں
اور اُن کی آمد پر مبارک دیتے ہیں۔ ابن نضوح شیرازی رحمہ اللہ کہتا ہے
رباعی با فاقہ و فقر ہمیشہ کر دی + بے مونس و بے یار و قرینم کر دی +
این مرتبہ مقربان در دست + آیا بچہ خدمت این چنینم کر دی + دوسرے
صفحہ یہ ہیں کہ جراث اور الماس اور داغ جگر ملک اور جانستان
چیزیں ہیں۔ ہلکویہ چیزیں ملی ہیں اب ہم مرجائیں گے اور ہم کو
مصائب سے نجات حاصل ہوگی چونکہ ہم زندگی میں مبتلا سے آفات ہیں۔
لہذا ان چیزوں کے آنے سے خوش ہوتے ہیں اور مبارک باد دیتے ہیں
کہ اب مرجانے سے دنیا کے جگر ٹون اور زحمتوں سے نجات حاصل ہوئی

غنجوار آیا = یعنی ہدیہ غنچوار ہے۔ ہدیہ غنچوار آیا۔ آیا کی جگہ آمد رکھ دیجئے
تو سالم شعر فارسی بنجاتا ہے۔ جراحۃ تحفہ الماس از منغان ذراع حکم
ہدیہ۔ مبارک باد اسد غنچوار جان درد مند آمد۔

جنز قیس اور کوئی نہ آیا بروی کار | صحر اکر بہ تنگی چشم خود تھا

قیس = مجنونِ عامری کا نام ہے جو قبیلہ بنی عامر کے ایک رئیس کا بیٹا تھا۔
لیلائے عامری پر عاشق تھا اور اس کے عشق میں شمع بھری میں انتقال کیا
کہتے ہیں کہ لیلیٰ بھی اس پر عاشق تھی۔ اور = دوسرا۔ دیگر۔ بروی
کار آنا = بروی کار آمدن کا ترجمہ ہے۔ بروی کار آمدن یعنی میدان
میں آنا۔ رونق پذیر ہونا۔ شہور ہونا۔ ظاہر ہونا۔ آشکار ہونا۔ میرزا
صائب فرماتے ہیں۔ یا قوتِ آبدار تو آورد عاقبت خطی بروی
کار کہ ریحان بگرد رفت خطار بروی کار آورد یعنی خط کو ظاہر کر دیا۔
بہ = باہی تشبیہ یعنی مانند۔ بہ تنگی چشم خود یعنی مانند تنگی چشم خود۔
جسود = بفتح اول و ضم ثانی بروزنِ فِعُول بدخواہ اور بہت حد کنیوالیکو
کہتے ہیں۔ تنہا کی جگہ بود لکھ دیجئے تو مصرع فارسی ہو جاتا ہے۔ مصرع
صحر اکر بہ تنگی چشم خود بود۔ میں نے ذرا سے تغیر و تبدل میں اس
شعر کو پورا فارسی بنا دیا ہے۔ جنز قیس پہچ مردنیا مد بروی کار
صحر اکر بہ تنگی چشم خود بود۔

آشفگی نے نقش مسود کیا درت | ظاہر ہوا کہ ذراع کا سرنیزہ و دوتا

نقش درست کرنا = یعنی نقش بنانا۔ نقش تیار کرنا۔ یہ محاورہ فارسی
 یعنی نقش درست کردن کا ترجمہ ہے۔ سویدا = کالا نقطہ جو دل پر ہوتا ہے۔
 ترکیب نحوی میں نقش سویدا مفعول بہ ہے یعنی آشفنگی نے نقش سویدا کو
 بنایا پریشانی اور آشفنگی یہ دونوں لفظ مترادف ہیں اور فارسی میں
 آشفنگی بمعنی پریشانی کثرت سے متعل ہے چنانچہ میرزا صاحب رحم فرماتے ہیں
 آشفنگی ز عقل پذیر دماغ ما فافوس گرد باد شود بر چراغ ما
 اور مولانا ظہوری رحم فرماتے ہیں واعظ چہ کنی دستہ حدیث
 گل و سنبل و بر خیز کہ آشفقہ دماغ است دل ما۔ اور آشفقہ جس سے لفظ
 آشفنگی بنا ہے اردو میں بھی بمعنی پریشان کثرت سے آیا ہے چنانچہ
 وبال آشفقہ حالوں کی پریشانی کا پڑتا ہے بھونکنہی کو سوا ذلف میں نشہ
 کرتے ہیں اور ارقم الحروف کا شعر ہے نیم صبح اس کا کل فشان
 سے ہے آشفقہ در کہنا وہ بواے نافہ تا تا کیسی ہے و فرہنگ
 انجن آراے ناصری میں لکھتے ہیں کہ آشفقہ بروزن آلفقہ بمعنی بہم برآمدہ و
 پریشان۔ اور لغت بہارِ نجم میں لکھا ہے کہ آشفنگی۔ پریشانی و شوریدگی
 وبال لفظ کشیدن و پذیرفتن بصلہ از متعل۔ پس بعض اصحاب جو یہ کہتے ہیں
 کہ آشفنگی بمعنی پریشانی نہیں آیا یہ قول انکا غلط ہے۔ دانع = یعنی
 وہی دانع سویدا جو مصرع اول میں آیا ہے۔ اصل میں یہ شعر اس طرح ہے
 آشفنگی نے دانع سویدا کیا درست و ظاہر ہوا کہ دانع کا سرمایہ
 دود تھا۔ مگر چونکہ اس موقع پر تکرار لفظی معیوب ہے لہذا دانع سویدا کی جگہ میں

نقش سویدا کہا ہے۔ مصرع ثانی میں داغ سے مراد داغ سویدا ہے جو ابھی مذکور
 ہوا ہے۔ لفظ داغ کے معنی ہیں دہبا اور نشان اور زخم اور غم وغیرہ۔ اردو والوں نے
 داغ کو ناپنے علامت مصدر لگا کر داغنا مصدر بنایا ہے اور اس کے معنی
 ہیں فیر کرنا اور توپ یا بندوق چھڑنا لہذا داغ بصریہ واحد امر حاضر بھی آیا ہے مگر فارسی
 میں داغیدن کوئی مصدر نہیں ہے۔ داغ فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہی
 لفظ ہے جسکو ہندی میں واگ کاف فارسی کہتے ہیں واگ کے معنی جلا اور روشن
 کے ہیں۔ داغ اٹھانا اور داغ دینا اور داغ کہنا اور داغ لگنا لفظ داغ کے مرکبات
 ہیں۔ دود = دھوان = سرمایہ = متاع اور پونجی۔ مزا کے اس شعر کا
 مطلب یہ ہے کہ سویدا جو سیاہ رنگ ہوتا ہے وہ دود غم سے بنایا گیا ہے
 اور اسی واسطے ہر انسان کا بلکہ ہر جاندار کا دل دنیا میں غم و اندوہ سے
 خالی نہیں ہے۔ ہر شخص کا دل کسی نہ کسی وقت بتلائے غم ہوتا اس بات
 کو ظاہر کرتا ہے کہ سویدا کا سرمایہ غم کا دھوان ہے۔ ظاہر ہے کہ دھوان بھی
 سیاہ رنگ ہوتا ہے اور سویدا بھی سیاہ ہوتا ہے اور غم کا تعلق دل کے
 ساتھ ہے اور سویدا دل پر ہوتا ہے لہذا مزرا نے یہاں سے یہہ مضمون
 نکالا کہ دلون کا آشفٹہ و پریشان و غم زدہ ہونا اس بات کو بتا رہا ہے
 کہ سویدا کا سرمایہ دود آشفٹگی اور دود پریشانی یا دود غم ہے جسکی وجہ سے
 دلون کا آشفٹہ و پریشان ہونا ضروری اور لازمی امر ہے۔

جس نیکہ کب لگتی نہ زبان سہو

تھا جو میں خیال کو تجہ سے معاملہ

خواب خیال صنعت مراعات النظیر ہے اور زبان و سود صنعت
تضاد ہے جسکو صنعت طباق بھی کہتے ہیں۔ آنکہ کھل جانا = یخن
جاگنا اور بیدار ہو جانا۔ شعر صاف ہے اور اسکا مضمون ظاہر ہے۔

یسا ہو مکتب غم دل میں سبق نہ ہو | لیکن یہی کفرت گیا اور بود تھا

یعنی مکتب غم دل میں ہنوز بتدی ہوں۔ آئندہ بڑے بڑے غم و اندوہ اس
عاشقی میں طے کرنے کے ہیں۔ رفت گیا اور بود تھا یہ ابتدائی چیزیں
میں جیسے بتدی اطفال الفاظ یاد کیا کرتے ہیں۔

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی | میں و نہ ہر لباس میں وجود تھا

داغ = دہبا۔ عیوب = عیب کی جمع ہے۔ برہنگی = ننگاپن۔ ننگ
شرم و عار۔ وجود = ہستی و زندگی۔ شعر صاف ہے یعنی میرے مرنے سے
میرے عیوب برہنگی پوشیدہ و مخفی ہو گئے۔ کفن نے یعنی موت و مر گئے
کیونکہ مردہ کو کفن پہناتے ہیں لہذا کفن سے موت کا استعارہ کیا ہے
کفن نے میں دونوں کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے ثقل و تنافر پیدا ہو گیا ہے۔

تیشے بغیر رسکا کوہن اسد | گشتہ خار رسوم و قیود تھا

تیشے بغیر = یعنی بغیر تیشے کے۔ کوہن = فرہاد کا لقب ہے جو شیریں کی
عاشق تھا۔ رسوم = رسم کی جمع ہے۔ قیود = قید کی جمع ہے۔ تیشہ

بسولا۔ مصرع ثانی میں تنہا کی جگہ بود لکھ دیا جائے تو سالم مصرع فارسی ہو جاتا
مصرع سرگشتہ خار رسوم و قیود بود * سرگشتہ = حیران و پریشان۔
چونکہ خار کا اثر دماغ پر زیادہ تر ہوتا ہے لہذا سر کا لفظ مناسب خار ہے۔

کہتے ہو دینیک ہم دل گر پڑا یا	دل کہاں کہ گم کیجے ہم مدعا یا
-------------------------------	-------------------------------

دل کہاں الخ = یعنی ہم نے دل کے عوض میں مدعا و آرزو و تمنائے معشوق پائی
ہے۔ ہمارے سینہ میں دل نہیں ہے بلکہ تمنائے معشوق ہے۔
کہتے ہو کہ مخاطب معشوق ہے۔

دوستدار دشمن ہر اعتماد دل معلوم	آہ بے اثر و کپی نالہ نارسا یا
---------------------------------	-------------------------------

جو دوست تھا وہ دشمن ہے اور دل جس پر بہر و ساتھ اوہ بے اعتبار ہے اور
آہ بے اثر ہے اور نالہ نارسا ہے یعنی ہماری یہ حالت ہے اور ہم ان
مصائب میں مبتلا ہیں جیسے خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
شب تاریک و بیم موج و گردابے چین باطل * کجا دانند حال ما
سبکاران ساحل ما * اور مرزا نے فارسی دیوان میں کہا ہے
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز * گستہ نگر گشتی و ناخدا خفتہ است
اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آہ و نالہ جو پہلے اثر اور رسائی
کے لحاظ سے دوستدار تھے اب بسبب اثری و نارسائی کے دشمن ہیں
چونکہ آہ و نالہ کا تعلق دل کے ساتھ ہے لہذا دل پر بھر و سا نکلیا جائیے

کیونکہ دل کبھی دوست بنجاتا ہے اور کبھی دشمن ہو جاتا ہے۔ دوست و دشمن
صنعت تضاد ہے جس کے دوسرے نام صنعت طباق اور صنعت مطابقت
ہیں۔ دوستدار کو بلا اضافت پڑھنا چاہئے کیونکہ اس بیت میں تقابل پایا جا
ہے یعنی مرز نے مصرع ثانی میں دو چیزیں بیان کی ہیں۔ ایک چیز آہ اور
دوسری نالہ۔ اُن کے تقابل میں بلحاظ ترتیب مصرع اول میں دوستدار
اور اعتماد دل دو چیزیں مطلوب ہیں۔ دوستدار کو باضافت پڑھیں تو دل
اوسکا بتدہ ہوگا۔ اس حالت میں مصرع اول میں ایک ہی اسم مذکور ہوا اور
تقابل کا لطف جاتا رہا۔ و حقیقت یہ مضمون خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
کا ہے۔ خواجہ رح فرماتے ہیں **شب تار یک بیم موج و گرد آبے چنین بل**
کجا دانند حال ما بسکاران سا حلہا۔ لیکن خواجہ کے شعر میں (حال) کا
ایسا لفظ ہے کہ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ خواجہ آپ بیتی فرماتے ہیں
جگ بیتی یا پر بیتی کی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اسمین وہ کیفیت نہیں جو خاص اپنے
دل اور دماغ اور طبیعت میں پیدا ہوتی ہے۔ معلوم = فارسی کا محاورہ
ہے بمعنی نیت اسکے معنی یہ ہیں کہ نہیں ہے چنانچہ حیدر می تبریزی
کہتا ہے رباعی در کشور ہند شادی و غم معلوم + آنجا دل شاد و جا
خرم معلوم + جائیکہ بیک پیہ آدم نخرند + آدم معلوم و قدر آدم معلوم
یعنی کشور ہندوستان میں شادی اور غم نہیں ہے اور وہاں دل شاد
اور جان خرم نہیں ہے اور آدمی نہیں اور قدر آدمی کی نہیں۔

سادگی و پرکاری بخود می ہشیاری	حسن و تغافل میں جرات آزا پایا
-------------------------------	-------------------------------

یعنے سادگی کے لئے پرکاری اور بخودی کے لئے ہشیاری لازم ہے۔ کیونکہ
حسن جو سادہ اور بخود ہے عین تغافل میں جرات آزمائی کر رہا ہے جو پرکار
اور ہوشیار کا کام ہے یعنی معشوقانِ حسین سادہ پرکار اور مست ہشیار ہیں
ان کو سادہ و مست نہ کہے بلکہ پرکار و ہوشیار کہنا چاہئے کیونکہ اگر سادہ اور
مست ہوتے تو جرات آزمائی نہ کرتے۔ یہاں تغافل سے مراد سادگی اور بخودی
ہے۔ تغافل میں یعنی سادگی و بخودی میں کیونکہ جو شخص سادہ و بخود ہوگا وہ
ضرور غافل ہوگا۔ سادہ جن کے صفات میں سے ہے مگر بخود حسن کی
صفت میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اگر بخودی کے معنی حیرت لئے جائیں
تو ہی حسن کی صفت حیران نہیں ہو سکتی۔ یہہ الفاظ یعنی حسن حیران و
حسن بخود استادوں کے کلام میں نہیں دیکھے گئے۔ پرکاری =
یعنے عیاری و طراری و مکاری۔ بخودی = یعنی مدہوشی و حیرت
سادگی و پرکاری اور بخودی و ہشیاری میں واو ملازمہ کا ہے اور سادگی
و پرکاری اور بے خودی و ہشیاری صنعت تضاد ہے۔ یہ طرز گفتار
فضحا کے پاس معیوب اور نہایت بدنام ہے کیونکہ صرف الفاظ بطور اشارہ
رکھ دئے ہیں مقصود قائل میں۔ بے انتہا تعقید ہے۔ معلوم مزار صاحب
کہنا چاہتے تھے اور کیا کہہ گئے۔ اس شعر کا پہلا مصرع پورا فارسی ہے
مصرع سادگی و پرکاری بخودی و ہشیاری

خون کیا ہو دیکھا گم کیا ہو پایا

غنیہ پھر لگا کہلن آج ہسم نیادل

غنجہ اور دل میں تشبیہ تہ اور تشبیہ سی ہے اور اسی تشبیہ کی وجہ سے مراد صاف
یہہ عمدہ مضمون پیدا کیا ہے غنجہ = گل ناشگفتہ کو کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق
کہتے ہیں کہ غنجہ اصل میں گنجہ ہے اور مصدر گنجیدن سے بنایا گیا ہے کیونکہ
غنجہ میں گنجیدن اور گرد آوری ہوتی ہے۔ اور لہذا غنجہ بحیم عربی صحیح ہے
نہ بحیم فارسی۔ اگرچہ یہ تحقیق قرین قیاس ہے اور معقول معلوم ہوتی ہے
مگر غنجہ بحیم فارسی کہنا چاہئے کیونکہ یہ لفظ اسطرح گوش آشنا اور مشہور
ہو گیا ہے۔ غنجہ بحیم عربی رکیک اور غیر فصیح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل
فصاحت نے اس لفظ میں گاف کی جگہ عین معجمہ و بحیم عربی کی جگہ بحیم فارسی کو فصاحت
کے لئے اختیار کیا ہے۔

ہے بارہا دھو ہاتھ بارہا پایا یا	حال نہیں معلوم لیکن استقدر
---------------------------------	----------------------------

یعنی اے معشوق ہمارا دل تمہارے پاس ہے ہمارا دل ہمارے پاس نہیں
ہے۔ بلکہ تمہارے نزدیک ہے کیونکہ تم نے اسکو بارہا حاصل کیا ہے۔ اس
شعر میں یعنی حشو قبیح ہے۔

آپ سے کوئی پوچھ رہے کیا فرمایا	شوہن پندنا صبح نے خرم پر چہر کا
--------------------------------	---------------------------------

یعنی شوہن پندنا صبح سے ہمارا زخم عشق بڑھ گیا۔ جیسے زخم پر نمک چہر کرنے سے
سوزش بڑھ جاتی ہے مگر نا صبح کا کوئی فائدہ نہوا لہذا نا صبح نے فضول کوئی کی
یہہ زندانہ مضمون ہے۔ اس غزل کا وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن

اس بحر کا نام بحر نہجِ مثنیٰ شتر ہے۔ یہاں زخم کے حقیقی معنی جراحت مراد نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی عشق و عاشقی اور اُسکی آوارگی مراد ہیں۔ آپ سے یعنی نا صبح سے یہاں شور کے معنی غوغا و آشوب کے ہیں اور چیمبر پر نہاں و نمکین کو بھی شور کہتے ہیں اگرچہ یہ اخیر کے معنی اس شعر میں مقصود و مطلوب نہیں ہیں مگر لفظ نہاں کے ساتھ تناسب و مناسبت رکھتے ہیں لہذا لفظ شور سے اس شعر میں صنعتِ ایہامِ التناوب پیدا ہو گئی اور چونکہ بے تکلف اور بلا تصنع واقع ہوئی ہے لہذا نہایت دلچسپ و پسندیدہ ہے۔ صنعتِ ایہامِ التناوب کی تعریف یہی ہے کہ معنی غیر مقصود کسی دوسرے لفظ کے ساتھ جو کلام کے اندر آیا ہے تناسب کہے۔ اس شعر کا حاصل یہ ہے کہ نا صحوں کی نصیحت سے ہمارا عشق کم ہونیکے عوض زیادہ ہو جاتا ہے۔ فرزانے اس مضمون کو تمثیل میں بیان کیا ہے۔ عاشقوں کی عادت ہے کہ نصیحت سننے سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔

دل مرسوز نہاں ہے بے محابا جل گیا	آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا
----------------------------------	--------------------------------

مرسوز نہاں = سوزا زرونی جو آتشِ عشق کی وجہ سے تھا۔ بے محابا بے ہراس و بلا اندیشہ خاموش و گویا صنعتِ تضاد ہے مگر یہاں گویا اداتِ تشبیہ میں سے ہے۔

دین و وصل یا دیا تکیا تہیز	اگل اس گھم میں لگی ایسی تھجا جل گیا
----------------------------	-------------------------------------

یعنے عشق و عاشقی کی آگ ایسی لگی کہ خانہ دہلین جو کچھ اٹاٹھ تھا وہ سب
 جل گیا تا سجدیکہ فوقی وصل اور یاد یار جو نہایت مرغوب و مطلوب چہرین تھیں
 وہ بھی جلد راکھ ہو گئیں۔ یہاں آگ سے آتش عشق مراد ہے۔ عشق و
 عاشقی کے تیاج اکثر ایسے ہی بڑے ہو کرتے ہیں چنانچہ جنون اور فریاد
 جو وہ لوگ عاشق تھے اُن کے قصے مشہور ہیں اُن دونوں عاشقوں کا
 انجام مرگ اور ہلاکت ہوا نظیری نیشا پوری رح فرماتے ہیں ۛ
 عشق است طلسمی است کہ درو بام ندارد ۛ اُن کس کہ از ویافت نشان نام
 ندارد۔ ۛ واکہ ۛ عشق کا مل نیت تادربند مال و مسکنی ۛ آذرمان آتش علم
 گردد کہ سوزد خانہ را ۛ مرزا غالب کا یہ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے۔

مین عدم بھی پرہون قباں را	سیری آہ آتشین سے بال غم قباں گیا
---------------------------	----------------------------------

مصنف صاحب نے اس شعر میں لفظ ہوتا کو جو جل گیا کے بعد آنا چاہئے تھا
 محذوف کر دیا ہے تاکہ شعر میں تعقید معنوی پیدا ہو جائے اور شعرا پی نظر
 اور جادہ خیال بندی پر پوری طرح سے آجائے مطلب یہ ہے کہ مین
 غمقا سے بڑھ کر غائب اور غمقا سے بڑھ کر مشہور ہوں۔ یہ بات مشہور ہے
 کہ غمقا کا مقام کوہ قاف سے مگر یہ بات بھی معلوم ہے کہ آج تک غمقا کو
 کسی نے نہیں دیکھا صرف اس پرندے کا نام سنتے ہیں اور فارسی کے
 شعرا غمقا کو شہرت کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اب شاعر یہ کہتا ہے کہ اگر
 مین ملک عدم میں ہوتا تو اُس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سیری آہ آتشین سے بال غمقا

جلجالتا یعنی عثقا کی جگہ صرف میری شہرت باقی رہ جاتی اور کوئی عثقا کا نام
 نہیں لیتا مگر چونکہ میں ملک عدم سے بھی پرے ہوں یعنی ملک عدم کو
 طے کر کے کچھ اُس سے آگے بڑھ گیا ہوں لہذا میری شہرت اور میرا نام
 عثقا کی شہرت اور عثقا کے نام سے بڑھ کر مشہور ہے دوسرے معنی
 میری آہ آتشیں ایسی تیز و تند ہے کہ اگر میں عدم سے پرے ہوتا
 تو میری آہ سے بال عثقا جلجالتا یا جل گیا ہوتا۔ تیسرے معنی
 اسے غافل میری آہ آتشیں ایسی تیز و تند ہے کہ اُس سے بارہا بال عثقا
 جل گیا اور اب جو بال عثقا اُس سے نہیں جلتا ہے تو اُسکی وجہ یہ ہے
 کہ اب میں عدم سے بھی پرے ہوں لہذا بال عثقا کو میری آہ آتشیں نہیں
 جلا سکتی مگر اطف علی اصفہانی آذر تخلص جو ایران کا مشہور تذکرہ نویس
 اور نامور شاعر ہے اپنے تذکرہ آتشکہ میں شیخ ناصر علی بہرہندی کے
 حال میں لکھتا ہے کہ از کثرت استعارات از مثنوی او مطلبی
 مشخص نمیشود۔ میری رائے میں کل خیال بند شاعروں کا کلام ایسا ہے
 اور مرزا کا بیہ شعر بھی از ان قبیل ہے۔ مرزا نے کتاب عود ہندی میں
 جو خطوط مولوی عبد الرزاق شاکر کے نام لکھے ہیں انہیں سے ایک
 مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ”قبلہ ابتدائی فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت
 کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا ۵ طرز بیدل
 میں ریختہ لکھنا ۶ اسد اللہ خان قیامت ہے ۷ ۵ برس کی عمر سے ۲۵
 برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا

آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا اور اوراق یکتلم چاک کئے دس پندرہ
 شعروا سٹے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دے کئے تمت کلامہ - غالباً
 یہ شعر بھی انہیں اشعار میں سے ہوگا - شاعر نے اس شعر میں اپنے زیادہ تر
 غائب اور زیادہ تر مشہور ہونے میں مبالغہ اور اغراق کیا ہے جیسا کہ
 ایک دوسری جگہ مبالغہ اور اغراق کی راہ سے کہا ہے ○ منظر
 اک بلند می پراور ہم بنا سکتے پڑ عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکان اپنا
 یہ شعر جو زیر شرح ہے اصل میں اس طرح ہونا چاہئے تھا جس طرح یہاں
 شریں بتایا جاتا ہے شریں عدم سے بھی پرے ہوں وگرنہ اسے
 غافل بار ما میری آہ آتشین سے بال عتقا جل گیا ہوتا یا جلیتا -

دل نہیں تھکے دکھا تا وہ دیکھی | چیراغان کا رکن کیا کا فرما جل گیا

کار فرما = یعنی صاحب و آمر - فارسی میں ضرب لشل ہے کارکن را
 کار فرما بر سر کار آورد - مرزا کا ذہن اس ضرب لشل سے اس شاعرانہ
 مضمون کی طرف منتقل ہوا ہے - فرماتے ہیں کہ میرا دل جو کار فرما تھا وہ تو
 جل گیا - اب رنگیا میں تھا جو کارکن ہوں - جب کار فرما نہیں رہا تو
 کارکن کیا کر سکتا ہے - میں کیا کروں مجبور ہوں معذور ہوں -
 داغون کی بہار جو دل کی کار فرمائی سے ہتی میں نہیں دکھا سکتا -
 اگر دل ہوتا تو تھکے وہ بہار دکھاتا - چیراغان = یہاں چیراغ کی
 جمع نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی تعذیب کا نام ہے اور وہ تعذیب

اسطرح ہوتی ہے کہ مجرم کے سر میں کئی زخم کر دیتے ہیں اور ہر ایک زخم میں ایک فقید رکھ کر روشن کر دیتے ہیں جس سے سر جلتا ہے اور مجرم کو نہایت ایذا پہنچتی ہے۔ درحقیقت یہ تعذیب نہایت درجہ کی وحشیانہ ہے۔ یہ شعر اسطرح ہوتا تو زیادہ تر صاف اور اچھا ہوتا۔ **۵** دل اگر ہوتا دکھاتا تبھکو داغون کی بہا رہے ان چراغون کا کروں کیا کار فرما جل گیا مگر مرزا کی طبیعت نے جو دقت پسند ہے چراغون کی جگہ لفظ چراغان جو ایک غیر شہور لفظ ہے اختیار کیا ہے تاکہ کلام کے اندر دقت پیدا ہو جائے اور اسکو ہر شخص نہ سمجھے۔ میں جس عنوان سے اس شعر کو کی قدر بدل دیا ہے اس میں سلاست اور سہل پسندی کا انداز ہے۔ مرزا صاحب کا یہ شعر غلط نہیں ہے جو تغیر و تبدل کا محتاج ہو۔ اس تغیر و تبدل سے میری غرض یہ تھی کہ موقع پر دقت پسندی اور سلاست پسندی کا فرق پبلک پر ظاہر کروں اور جہاں جہاں موقع ملے گا یہ فرق انشاء اللہ ظاہر کروں گا۔ اس سارے کے دیکھنے والے ضرور یہ بات کہیں گے کہ اس شعر کو کا ہی کو بدلا اور کیا سبب اس میں تغیر و تبدل کیا لہذا میں نے اپنا عندیہ ظاہر کرنا مناسب سمجھا ورنہ یہ مخفف ہے وگرنہ کا۔

میں ہوں اور افسر کی کئی زلفا کیلے | دیکھ کر تڑپا کہ دنیا جل گیا

یعنی اسے غالب میں اس شعر کا مصداق ہوں **۵** کفر است در طریقہ ما

کینہ داشتن + آمین با ست سینہ چو آئینہ داشتن - میرے دلین کینہ اور
 عداوت نہیں ہے اور اگر کبھی کچھ عداوت ہوتی ہی ہے تو میں ظاہر
 کر دیتا ہوں اپنے دل میں چھپا کر نہیں رکھتا - میں صاف باطن اور بالکل
 ہوں پیسے کہ دنیا داروں کا طریقہ ہے مزار نے ایک دوسری جگہ کہا
 ۵۔ جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے ورنہ ہم + سر جاسے یا رہے
 نہ رہیں پر کہے بغیر - مگر میں نے جب دنیا داروں کو دیکھا تو ان کو ان
 آیتوں کے مطابق پایا **وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا**
خُلِقَ الْإِنسَانُ شَيْئًا طَيِّبَهُمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ظاہر میں تو نہ کر سکتے ہیں
 اور خندہ روئی و کشادہ پیشانی سے پیش آتے ہیں مگر باطن میں گوشت
 کے بہو کے اور لہو کے پیاسے ہیں اور دل میں سخت کینہ و عداوت
 رکھتے ہیں اور مخفی طور سے نقصان پہنچانے میں مشغول و مصروف ہیں -
 جب میں نے دنیا داروں کی دوزنگی اور دوروئی دیکھی تو میرا دل ان کے
 برے اخلاق سے افسردہ ہو گیا اور مجھ کو رنج ہوا بلکہ میرا دل جل گیا - یہ شعر
 عالم خلاق کے متعلق ہے اور قائل نے اس میں اخلاق حمیدہ کو اختیار کر نیکی
 ترغیب و تحریص دی ہے اور ایسے ہی اشعار **إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحُكْمًا** کے
 مصداق ہوتے ہیں - مطلب یہ کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنا ظاہر و باطن
 یکساں رکھے - میں ہوں اور افسردگی کی آرزو لیجئے میرے لئے
 افسردگی کی آرزو لازم ہے - اور ملازمہ کا ہے - تپاک = محبت کے
 جوش و خروش کو کہتے ہیں - طرز = یعنی طریقہ اور طور اور وضع -

اہل = یہ لفظ واحد اور جمع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کی یہ خاصیت ہے کہ دونوں طرح یعنی مفرد اور جمع آتا ہے مگر اکثر جمع کے معنوں میں آتا ہے جیسے اہل حرفہ اور اہل قلم اور اہل ذمہ اور اہل کتاب وغیرہ یہ لفظ حقیقت میں واحد ہے اور اہالی اسکی جمع آتی ہے اور فارسی میں اہالیان اسکی جمع الجمع ہے۔ واحد کی مثال بہارِ عجم میں لکھتا ہے۔ شہر بادشاہ ہے امر کر دکھیمہ سرعت ہتیا سازد عملہ فراموشی خانہ خیمہ دوزان بسیارے فراہم آوردند یا لان دوز سے ہم دران مجمع حاضر شد پرسیدندش کیستی گفت من اہل نیچہ ام۔ واحد کی دوسری مثال اہل زبان ہے یعنی صاحب زبان خوشہو لفظ ہے غالب منادی یعنی اے غالب۔ کہ = کاف تعلیل ہے کیونکہ اس کے معنے ہیں۔ دل فاعل اور جل گیا فعل لازمی ہے۔

شوق ہر رنگ رقیب و سرسaman کلا | قیس تصویر کے زمین بھی بیان کلا

مرزا صاحب نے عود ہندی میں جو رقعات مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام لکھے ہیں انہیں سے ایک قہ میں اس شعر کے معنے اس طرح تحریر فرماتے ہیں شوق ہر رنگ رقیب یعنی مخالف یعنی شوق سرسaman کا دشمن ہی۔ دلیل یہ کہ قیس جو زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردہ میں بھی ننگا ہی رہا لطف یہ ہے کہ مجنون کی تصویر باتن عریان ہی پہنچتی ہے جہاں پہنچتی ہے انتہی کلامہ۔ اس شعر کے معنے بیان کر سکتے ہیں یہ جہموی

کہ مرزا کے معاصرون نے اس شعر کو اور میرزا کے اور بعض شعرا کو مہمل و بے معنی قرار دیا تھا چنانچہ مرزا نے رقعہ کی ابتدا ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ قبلہ پہلے معنی ابیات بے معنی سنئے فقط - لفظ رقیب کے کئی معنی ہیں مگر اس شعر میں رقیب بمعنی دشمن و مخالف ہی آیا ہے مرزا صاحب کا یہ بیان کہ مجنون کی تصویر باتن عریان ہی کینچتی ہے محل تامل ہے کیونکہ باتن عریان نہ کینچے گی تو اور کیا ہوگی - ہر شخص کی جیسی حالت اور صورت اور شکل ہوگی ویسی ہی تصویر ہوگی - یہ تو ہونہیں سکتا کہ مصور بد صورت کو خوب صورت یا خوب صورت کو بد صورت یا عریان کو بالباس اور بالباس کو عریان بنا دے خصوصاً فوٹو گرافی میں یہ بات ناممکن ہے - اگر کسی مصور نے قلمی تصویر میں ایسا کیا بھی تو وہ تصویر اصلی اور حقیقی نہ ہو بلکہ جعلی اور غیر حقیقی ٹھہری پس مجنون جو لیلیٰ کے عشق میں لباس سے بھی قطع تعلق کیا تھا اور اُس کے جوش و خروش عشق میں نگاہی پڑا پہرتا تھا اُسکی سچی تصویر برہنہ اور ننگی نہ ہوگی تو بالباس کیونکہ ہوگی اگر کسی مصور نے اُسکی تصویر بالباس بنائی بھی تو واقعہ اور اصلیت کے خلاف بنائی یا اُسکو اُس زمانے کی تصویر سمجھنا چاہئے جبکہ مجنون بالباس رہتا تھا - لہذا مرزا صاحب کا یہ بیان کہ مصرع قیس تصویر کے پردے میں بھی عریان نکلا محل تامل ہے اور اعتراض کرنیوالوں کا اعتراض قرین قیاس معلوم ہوتا ہے - اس شعر پر ایک دوسرا اعتراض جو میری جانب سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پردہ میں

عریان نکلا ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ جو چیزیں اس میں
 ہوگی وہ عریان کیونکر ہوگی۔ ایسے تراکیبے اجتناب کرنا چاہئے
 اگر اجتناب واحتمال نہ کیا جائے تو کلام ضرور مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے
 اور مقصود قائل میں بے انتہا تعقید پیدا ہو جاتی ہے۔ تاویل میں تو
 بہت کچھ گنجائش ہے مگر عوام کے پاس۔ اہل علم کے نزدیک تاویلات
 بارہ گوزشتہ سے بدتر ہیں۔ شوق = شوق کے اصلی معنی خواہش اور
 ہن گزشتہ میں اخیر زمانہ کے شعرا کے کلام میں شوق بمعنی عشق کثرت سے آیا ہے۔
 ہر رنگ = یعنی ہر طرح ہر وضع ہر طور سے رقیب۔ اس شعر میں معنی دشمن وعدو
 آیا ہے رقیب کے مشہور معنی ایک معشوق کے دو عاشق یا کئی عاشق اس نام سے
 آپس میں باہر زد ہوتے ہیں یہاں مقصود نہیں ہیں۔ عریان = سنگا۔ برہنہ
 پہلے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ عشق و عاشقی ہر طرح سے مال
 مال و اسباب کی دشمن ہے۔ یہ دعویٰ ہوا۔ اسکی دلیل یہ ہے جو
 دوسرے مصرع میں مذکور ہوتی ہے کہ مجنون تصویر کے حجاب میں
 بھی عریان نکلا یعنی مجنون کو تصویر میں بھی لباس نصیب نہوا۔ لیکن مقصود
 قائل اسے یقین ہے مگر دوسرے مصرع کے الفاظ مسا عد نہیں ہیں اور
 دلیل کا عدم ہوگئی جیسا کہ مذکور ہوا۔ یہہ مطلع اس طرح ہوتا تو قریب الفہم
 اور سلیس ہوتا۔ عشق ہر طرح عدوی سرو سامان نکلا۔ قیس تصویر
 کی حالت میں بھی عریان نکلا۔ یا۔ عشق ہر رنگ عدوی سرو سامان
 نکلا۔ قیس تصویر کے عالم میں بھی عریان نکلا۔ مگر تاہم مضمون و معنی کے

لحاظ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اعتراض کی گنجائش باقی ہے + شاید مرزا کا مقصد اس تصویر سے جعلی تصویر ہے مگر اس حالت میں مضمون کی نطفی اور بناوٹ ظاہر ہے + رقیب سرو سامان میں اشباع اصناف ہے اور اشباع اضافت فارسیوں کے پاس جائز ہے - پہلے مصرع میں نکلا کی جگہ باشد یا آمد لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی ہے مصرع شوق ہر رنگ قیہ سرو سامان باشد - سرو سامان یعنہ ان لبا .

رحمہ داندی تنگی دل کی یاز
تیر بھی سینہ مل سے پر افشان نکلا

واو دنیا = انصاف کرنا - عدل کرنا - ادا سے حق کرنا - یہ فارسی محاورے یعنی داد و دادن کا ترجمہ ہے - بسمل = یہ لفظ فارسی الاصل نہیں ہے بلکہ مستحدث ہے کیونکہ بسم اللہ سے بنایا گیا ہے - اس کے معنی ہیں ذبح کرنا - چنانچہ خواجہ آصفی رحم فرماتے ہیں ۵ قاتل من چشم می بند و دم بسمل مرا + تا باند حسرت دیدار و در دل مرا + ۵ دھم بسمل = یعنی ذبح کرنے کے وقت - اور میرزا جانی غیرتی رحم کہتے ہیں ۵ ذوق تیغ تو مراداشت چنین رقص کنان + این طہیدن نہ مرا ز جہت بسمل بود - از جہت بسمل = یعنی ذبح کرنے کے سبب سے + بسمل کے معنی ذبحہ اور مذبح بھی آئے ہیں اور مرزا نوشاہ کے اس شعر میں بسمل بمعنی مذبح یعنی ذبح کردہ شدہ جگو ذبحہ بھی کہتے ہیں آیا ہے پر افشان = بال افشان کا مترادف ہے

یعنے اڑتا ہوا۔ پرواز کرتا ہوا۔ یہ اسم حالیہ ہے۔ چونکہ حب کوئی
پرنده ہوا میں اڑتا ہے تو اکثر اس کے پروں کو ایسی حرکت اور
جنبش ہوتی ہے جو کسی چیز کے جھٹکنے یا چٹرنے سے مشابہت پیدا
کرتی ہے لہذا فارسی میں پرندوں کے اڑنے کو بال افتادن اور
پرافشاندن ہی کہتے ہیں۔ افتادن کے معنی میں جھاڑنا۔ چٹرنا
پچھوڑنا۔ حرکت دینا کسی چیز کو بطریق معہود جیسے پرافشاندن یعنی
پروں کو حرکت دینا۔ گرد افشاندن = گرد جھٹکنا۔ تنگ اور چھوٹے
مقاموں میں سے جو چیز نکلتی ہے شدت وحدت وسرعت کے ساتھ
نکلتی ہے جیسے دریا کا پانی دو پہاڑوں کے درمیان گھٹ کر بہتا ہے
تو بڑے زور وشور سے بہتا ہے جس جگہ پھیل کر بہتا ہے وہاں وہ
زور نہیں رہتا اور دیر دیر بہتا ہے لہذا شاعر کہتا ہے کہ میرا دل
اس قدر تنگ اور چھوٹا ہے کہ جو تیرا سینہ سے نکلا بسبب تنگی کے
اڑتا ہوا اور حدت وسرعت کے ساتھ نکلا۔ اس لئے شاعر زخم دل
سے تنگی دل کی داد طلب کرتا ہے۔ اس شعر کے مضمون میں بسبب
لفظ دل وسینہ کے مبادعت ہو گئی ہے کیونکہ قائل کا مقصود تو یہ ہے
کہ تیرا ہی دل بسبب سے پرافشان نکلا مگر چونکہ مصرع موزون نہ ہوتا تھا
لہذا ضرورت وزن کے لحاظ سے دلکی جگہ سینہ کہہ دیا جس سے
معنی شعر میں بعد اور دوری پیدا ہو گئی اور مرزا کا یہ مطلب بھی کہ شعر
بعید الفہم ہوا کرے حاصل ہو گیا۔

دلِ حشر زدہ تھا مادہ لذت و درد کا کیا رون کی بقدر لب و دندان نکلا

حشر زدہ = حشر کا مارا ہوا۔ یعنی پُرحشر اور حشر والا۔ حشر کے حقیقی معنی دروغ اور افسوس اور پشیمانی اور شرمندگی کے ہیں اور مجازی معنی آرزو و تمنا و ارمان کے ہیں۔ مادہ لذت و درد = لذت و درد کا دسترخوان یعنی وہ دسترخوان جس پر درد و غم کی لذتیں اور آفات و مصائب کی غذائیں اور رنج و الم کی نعمتیں چنی ہوئی ہیں۔ مادہ یعنی دسترخوان۔ کام نکلنا = برآمدہ کا نکلنا۔ مطلب نکلنا۔ امید برآنی حاجت روا ہونی۔ یہہ کار برآمدن کا ترجمہ ہے۔ بقدر لب و دندان = یہہ فارسی زبان کی اصطلاح ہے اُسکے معنی میں بقدر استعداد کے اور بقدر لیاقت کے۔ تو معلوم ہوا کہ فارسی کی اصطلاح میں استعداد اور لیاقت کو کنایۃً لب و دندان کہتے ہیں۔ چنانچہ فارسی والے کہتے ہیں کہ لب فلان چیریت و دندان فلان چیریت یعنی استعداد اور لیاقت اور شایستگی اور حوصلہ فلان چیر کا نہیں ہے اور فارسی میں دہن فلان چیر و دمان فلان چیر بھی کہتے ہیں جیسے زید دہن این کا زرد یعنی زید کو اس کام کی لیاقت نہیں ہے ملاطفر کہتے ہیں ۵ مارا لب چشیدن صہبای وصل نیست + این بادہ را مگر لب گل توان چشید + یعنی شراب وصل کے چکھنے کی لیاقت ہم کو حاصل نہیں ہے۔ شاعر نے اپنے دلِ حشر زدہ کو لذت

درد کا مائدہ قرار دیا ہی اور کہتا ہی کہ تقدیر ہمارا جو صلے کے اور تقدیر ہمارا ہی لیاقت کے اس سترخان سے ہمارا کام نکالے یعنی ہم نے اپنے جو صلے کے موافق غم کھایا۔ یاروں کا یعنی ہمارا یا میرا کیونکہ اردو زبان کا محاورہ یہ کہ کہی بے تکلفی کی بات حیت میں اور سادہ پن سے یاروں کا لفظ ضمیر شکلم کی جگہ میں کہتے ہیں۔ چنانچہ استاد ذوقؒ فرماتے ہیں ۛ نہوا پر نہوا میر کا انداز نصیب ۛ ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا ۛ یاروں نے یعنی ہم نے یا میں نے۔ مزار غالب کے پہلے مصرع میں تھا کی جگہ بد رکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی ہے۔ مصرع دل حسرت زدہ بد مائدہ لذت درد۔ بد بخفف ہے بود کا۔

ہو نو آموز فنا بہت دشوار پسند	سخت مشکل ہے کہ یہ کام سچاں بگا
-------------------------------	--------------------------------

نو آموز = مبتدی۔ آموز زندہ نو۔ جو ابھی سیکھنے کے لئے بیٹھا ہو یا کچھ دن سے سیکھنا شروع کیا ہو اسکو فارسی میں نو آموز کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل ترکیبی ہے ہمت = یعنی غم و ارادہ۔ یہاں ہمت موصوف اور دشوار پسند اسکی صفت ہے۔ موصوف اپنی صفت سے ملکر یعنی ہمت دشوار پسند مبتدا ہے۔ اور نو آموز فنا اسکی خبر اور سے حرف رابطہ ہے۔ دشوار پسند = یعنی پسند کنندہ دشوار اور مشکل کاموں کو پسند کرنے والی۔ یہ اسم فاعل ترکیبی ہے۔ سخت یعنی بہت۔ بڑی اور بڑا ۛ مشکل اور آسان صنوت تضاد ہے۔ حال یہ کہ مرحلہ فنا کو طے کرنا ہر ایک شخص سے ہو نہیں سکتا۔ مگر ہم نے اسکو

آسانی طے کر دیا۔

دل میں پھر گریہ نہ کشتو ہٹایا غاب | آہ جو قطرہ نکلا تھا طوفان نکلا

گریہ - یعنی رونا۔ اس لفظ کے کاف کو کسرہ ہے یہ لفظ گریہ میں کا حاصل بالمصدر ہے۔ فارسی میں گریہ تاک اور گریہ رگ تاک اور گریہ چسپاغ اور گریہ خامہ اور گریہ دولاب اور گریہ روحانی اور گریہ ششادی اور گریہ شمع اور گریہ شیشہ اور گریہ گاہ اور گریہ مند اور گریہ ناگ اور گریہ کر اور گریہ ماسے ماسے اس لفظ کے مرکبات ہیں۔ چونکہ اردو زبان درحقیقت فارسی زبان کی ایک شاخ اور شعبہ ہے لہذا اردو نے ان مرکبات کو اپنے اشعار میں مناسب مواقع پر استعمال کر کے ہیں اور اسی غرض سے میں نے ان مرکبات کو یہاں درج کیا ہے اور آئندہ بر محل و بر موقع ایسے مطالب اس رسالے میں درج کئے جائینگے کیونکہ زبان کی ترقی اور کلام کی جد و تازگی ایسی ہی باتوں سے ہوتی ہے شور اٹھانا۔ یعنی شور قائم کرنا اور شور برپا کرنا۔ شور کے معنی یہاں آشوب و غوغا و فساد کے ہیں لفظ شور طوفان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی طوفان کے لئے شور کا ہونا لازم و ملزوم ہے اور یہہ تناسب طوفان کی ذات کے متعلق ہے لہذا اس شعر میں لفظ شور سے صنعت مراعات النظم پیدا ہو گئی۔ غالب = منادی یعنی اے غالب۔ اسی حرف ندا مخذوف ہے۔ آہ = منجملہ اصوات کے ہے اور حسرت و افسوس و غم کے

موقع پر یہ کلمہ بولتے ہیں اور اُسکا مخفف اہ بغیر مد کے صحیح اور مستعمل ہے
 چنانچہ حکیم سنائی رحمہ کتے ہیں **س** گز ترا تیغ تن زندہ کن + در تر از رخ
 حتی زندہ کن۔ **طوفان** = بالضم بارانِ سخت اور آبِ سخت جو زمین
 میں سے نکلے اور ب چیزوں کو غرق کر دے اور یہ اس لفظ کے حقیقی
 معنی ہیں۔ اور ڈوبنے والی سیل کو بھی طوفان کہتے ہیں اور ہر ایک
 چیز جو کثرت سے ہو اور ہر شے جو اس قدر غالب ہو جائے کہ سب چیزوں کو
 گھیر لے اور کل شے پر غالب آ جائے اُسکو بھی طوفان کہتے ہیں جیسے
 طوفان ہوا اور طوفان آتش و طوفان بے تمیزی و یز و اور یہ مجازی معنی ہیں۔ اس کے
 مرکبات طوفانِ خسوف و خسوف اور طوفانِ خیر۔ اور طوفانِ بھج اور طوفانِ ریدہ
 اور طوفانِ نرا اور طوفانِ زدہ اور طوفانِ طراز اور طوفانِ کدہ اور طوفانِ
 نژاد ہیں۔ یعنی اسے غالب میرے دل میں بار دیگر گریہ نے ایک شور
 اٹھایا ہے لہذا افسوس ہے کہ جو قطرہ آنسو کا میری آنکھوں سے پیشتر نہ نکلا تھا
 اب طوفان ہو کر نکلا ہے یعنی جو قطرات دل میں رہ گئے تھے اب طوفان کی شکل
 میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر شور اول میں ہی یہ قطرات
 نکل گئے ہوتے۔ اس شعر میں بار دیگر شور کے نہ اُٹھنے کی تمنا پائی
 جاتی ہے۔ اور یہ تمنا یہاں لفظ آہ کے استعمال سے ظاہر ہوتی ہے
 یہ شعر صاف ہے اور معنی اُسکے ہویدا ہیں اس شعر کی شرح میں میں نے
 صرف نظم کو تحریر کیا ہے کوئی دوسرا بھاری کام نہیں کیا ہے
 کیونکہ شعر کا مضمون آشکار ہے۔ میری اسے ناقص میں اس شعر کے

مضمون میں ضبط کی قید لگانی زیادہ ضرورت ہے یعنی بوجہ ضبط نہ نکلا تھا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ قطرہ اشک بوجہ ضعف و ناتوانی یا بوجہ عدم موجودگی یا بوجہ عدم ضرورت یا شور اول کے رفع ہو جانے کی وجہ سے نہ نکلا ہو۔ بہر حال قیود مذکورہ کی پابندی کوئی ضروری چیز نہیں ہے کیونکہ شعر کا مضمون صرف اس قدر ہے کہ پہلے ہم روتے روتے تم گئے تھے اب پھر رونا شروع کر دیا۔

دہلی میں مر گیا جو باب نہر تھا | عشق نہر پیشہ طلبگار مرد تھا

دہلی = ڈرانے والی بات اور تہدید و تخویف کو کہتے ہیں۔ یہہ لفظ نموشہ جو = یعنی جو شخص دل ورجو آدمی۔ نہر = بروزن نکر دوزم و کارزار اور لڑائی و جنگ کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہہ لفظ نور تھا اور اسکا مصدر نور دید ہے فارسی میں بے اور واو آپس میں تبدیل پاتے ہیں اسی لئے نور کو نہر دہلی میں نہر پیشہ = وہ آدمی جسکا پیشہ جنگ اور لڑائی ہو۔ دہلی میں یہہ وجہ ہے کہ جو شخص عشق کے سامنے آیا ہے وہ عشق کے لائق اور قابل نہیں ہے بلکہ بزدل اور زن صفت ہے لہذا عشق اُسکو اپنے ناقابل جانکر دہلی دیتا ہے اور چونکہ وہ آنے والا اور حقیقت نا لائق عشق ہے لہذا صرف عشق کی دہلی ہی میں اُسکا کام تام ہو جاتا ہے اور وہ مرجاتا ہے۔ یہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ عشق و عاشقی مرد کا کام ہے اور رجاں پہلوان صفت ہی اس فن کے لائق ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں تھا کی جلیہ

بود لکھد بجے تو سالم مصرع فارسی بجاتا ہے مصرع عشق نبردیشہ طلبگار مرد بود
عشق موصوف اور نبردیشہ اُسکی صفت ہے۔

تھا زندگی میں گ کا کھٹکا لگا ہوا | اُس نے پیشہ بھی از رنگ تھا

یعنی چونکہ مجکو حیات میں موت کا اندیشہ لگا ہوا تھا لہذا مجکو زندگی کا لطف
حاصل نہوا اور میری زندگی خوف و ہراس میں کٹی جو آنے والی موت کی
وجہ سے مجھ پر غالب ہو گیا تھا اور اسی ہراس و ترس کے سبب سے میرا رنگ
رخ یا رنگ جسمانی زرد رہتا تھا یعنی حیات میں جب موت مجکو یاد آتی تھی
تو موت کے خوف سے میرا خون خشک ہو جاتا تھا اور میرا رنگ زرد پڑ جاتا
تھا۔ قائل نے اس شعر میں اپنے کو انتہا درجہ کا خوف زدہ مرگ قرار دیا ہے۔
زندگی یعنی حیات کھٹکا = یعنی اندیشہ اور یہ مجازی معنی میں حقیقت
میں کھٹکا بانس کے یا لکڑی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔

تالیف نسخہ ہائے فاکر ہاتھ میں | مجموعہ خیال بھی فرد فرد تھا

قائل نے اپنے کو عہد طفلی سے وفادار قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی میرا مجموعہ
خیال فرد فرد تھا یعنی میرا مجموعہ خیال کم عمری کے زمانہ میں مجتمع نہوا تھا
بسبب کم عمری اور خورد سالی کے مگر باوجود اس کے میں کتب و فاداری
کی تالیف کر رہا تھا یعنی وفادار تھا۔ نسخہ ہائے کتابیں فرد فرد تھا
یعنی پریشان تھا۔ مکرر۔ قائل نے اُس زمانہ سے کہ مجموعہ خیال یعنی

مجموعہ شعور و تیز مجتہد نہوا تھا اپنے کو نفع ہائے وفا کا مولف قرار دیا ہے۔ یعنی
میں کم سنی سے عاشق و فادار ہوں اور بچپن سے وفا شعار ہوں۔

دل تا جگر کہ ساحل و پای خمی ہے اب اس رگد زمین جلوہ گل اگر دتھا

کہتا ہے کہ ہم پیشتر ایسے نازک مرغ اور نازک مزاج تھے کہ سبب نازک مزاجی کے
جلوہ گل بھی جو ایک نفیس شی ہے ہمارے دل و جگر پر گرد و خاک کی طرح ناگوار
اور ناپسند تھا مگر اب زمانہ ناہنجار اور چرخ کچ رفتار کی وجہ سے یا عشق و عاشقی
کے سبب ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے دل سے لیکر جگر تک ایک دریای
خون کا ساحل ہے یعنی دل اور جگر دریای خون کے دو کنارے ہیں
اور ان دو ساحلوں کے بیچ میں دریای خون ہے حاصل یہ کہ عشق و عاشقی
یا زمانہ نا موافق کی وجہ سے ہم خون پیتے ہیں اور غم و غصہ کہاتے ہیں اور
اب ہماری نازک مزاجی باقی نہیں رہی کیونکہ غم و غصہ میں مبتلا ہیں اور
عشق و عاشقی کے مصائب نے ہلکے کر لیا ہے۔ جلوہ گل ابتدا اور گرد
اسکی خبر ہے۔ دل تا جگر یعنی از دل تا جگر۔ ایسے موافق پر از کا خذف
کردینا فارسی میں جائز ہے۔ اس رگد زمین یعنی از دل تا جگر۔ اس
شعر میں گل کے لفظ سے نازک مزاجی کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔ دل
اور جگر اور خون اور گل صنعت مراعات النظر ہے اور تناسب یعنی وجہ
نسابت دل و جگر میں ذات ہے کہ یہ دونوں اعضا میں اور خون و گل
میں صفت یعنی رنگ ہے کہ یہ دونوں سرخ رنگ اور لال ہوتے ہیں

جانی ہو کوئی کشمکش اندوہ عشق کی دل بھی اگر گیا تو وہی لکا دیتھا

کوئی = تنگہ کیواسطے آتا ہے۔ فارسی میں ان معنوں کے لئے کہی
لفظ بیچ اور اکثر یا بے تحاشی متعل ہوتی ہے۔ اس موقع پر سچ کا
لفظ بولا جا رہا اس طرح شریح کشمکش اندوہ عشق نہیں رود۔
کشمکش یعنی کینیا تانی اور فریادیں متواتر۔ اندوہ = بر وزن بر
کوہ غم والہم اور گرفتگی دل کو کہتے ہیں اسکا مخفف اندوہ بغیر واو کے آیا ہی
جیسا کہ مرزا ہدایت مرحوم کہتے ہیں مصرع اندوہ سخن کشید نظم۔ وہی یعنی یہاں
پہلے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اندوہ عشق کی کوئی کشمکش نہیں جاتی ہے
اور اس مصرع میں استفہام انکاری ہے۔ شعر صاف ہے۔

اجاب چارہ ساز می حشر کر سکے زندان میں بھی خیال بیاں نور دیتھا

چارہ سازی = یعنی تدبیر و علاج۔ وحشت یعنی گہرے زندان =
قید خانہ مجس۔ خیال = بالکسر وہم و گمان۔ بیا بیاں نور = اسم
فاعل ترکیبی ہے اس کے معنی میں جنگل کو طے کرنے والا۔ نور و امر کا
صیغہ ہے نور دیدن سے۔ کہتا ہے کہ جوش جنون میں میں نے چاہا تھا
کہ جنگل کی طرف کل جاؤں مگر میرے اجاب نے میری خیر خواہی کے
لحاظ سے مجھ کو قید خانہ میں مقید کیا تاکہ میں جنگل کی جانب جا نہیں سکوں
اور نہ اکت سے میری نجات ہو اور میں صحیح المزاج ہو جاؤں مگر کیا فائدہ

اُن کی یہ تیسر مفید اور نتیجہ نونسکی کیونکہ میں جب زندان میں داخل ہوا تو عین زندان میں جنگل اور صحرا کی طرف میرا خیال دوڑ گیا اور بیابان میں میرا خیال میرے عوض میں پھرنے لگا اگرچہ میں نے خود بیابان میں گشت نہیں لگائی مگر میرا خیال برابر بیابان میں گشت لگاتا رہا ظاہر ہے کہ خیال کی رسائی ایک دم میں عرش تک ممکن ہے پھر خیال کو بیابان میں پہنچنے کے لئے کیا دیر تھی اگر کوئی شخص اپنے عالم خیال میں یعنی حالت وہم میں میرے سمجھ لے کہ میں عرش پر بیٹھا ہوا ہوں تو یہ بات خیال کی راہ سے کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ خیال وہم کو کہتے ہیں اور قوت وہم یہ وجود اشیا اور حقائق احوال کی محتاج نہیں ہے۔ کوئی شے موجود ہو یا نہ ہو خیال اور وہم میں کوئی شخص اُسکا تصور کر لے تو اُسکو خیال میں اُس طرح محسوس ہوتی ہے اگرچہ درحقیقت اُسکا وجود نہیں ہے اور اُسکو غیر موجودہ اور معدوم اشیا کو خیالی باتیں اور خیالی پلاؤ کہاتے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خیال نے زندان کو عین بیابان تصور کر لیا اور زندان میں گشت لگاتا رہا کیونکہ اُسکو جنگل سمجھ لیا ہے اور ہمیں وہی وحشت حاصل رہی جو صحرا میں ہوتی ہے لہذا اجاب سے چارہ سازی وحشت نہوسکی۔

یہ لاش بکفن اختہ جانکی ہے حق مغفرت ہے عجب آرزو در تھا

یہہ = اسم اشارہ قریب۔ لاش = لاشہ و مردہ جسم۔ نئے کفن۔

جب کو کفن نہوے نفی کی واسطے آتا ہے۔ خستہ جان = شخص
 جسکی جان خستہ اور زخمی ہو۔ اسکے مجازی معنی تھکا ہوا اور ماندہ کے
 ہیں۔ خستہ کے معنی مجروح و افکار و زخمی کے ہیں اور یہ لفظ بالفتح
 ہے اور خستہ جگر و خستہ دل و خستہ حال و خستہ روان اسکے مرکبات
 ہیں اور خستہ جان اسم صفت مرکب ہے۔ مغفرت = بخشنا۔ سعا فی
 بخشش۔ فارسی میں مغفرت کو بخشیدن کہتے ہیں۔ عجب = حیرت و تعجب
 اور شگفت کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ خواجہ حافظ شیرازی رح
 فرماتے ہیں ۵ ز انقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ ۶ ازان فسانہ ہزاران
 ہزار واریاد ۷ عجب مدار یعنی حیرت نکر اور تعجب نکر۔ مگر یہ لفظ کبھی
 عجیب و غریب و نادر کے معنی بھی دیتا ہے اور بمعنی اسم فاعل آتا ہے
 چنانچہ اس شعر میں اسم فاعل کے معنی ہی دیتا ہے۔ عجب آزاد یعنی
 عجیب آزاد۔ یعنی حق تعالیٰ غالب کو مغفرت کرے اور بخشد بے سبب
 اسکی آزادی اور سکینی کے کیونکہ اکثر آزاد لوگ غریب و مسکین
 ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ کو مغفرت
 کرے۔ کونسی ایسی نیکی اور بھلائی کی ہے جس سے مغفرت چاہتا
 اسکا جواب یہ ہے کہ سبب آزادی کے مغفرت کرے کیونکہ آزادی
 جو تھی تو وہ فقر و فاقہ و غریبی کی وجہ سے تھی اور غریبی کے سبب کفن تک
 نصیب نہیں ہے اور جو مسلمان غریب نیک مزاج ہوگا وہ مستوجب
 مغفرت کا ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ الفقراء فخریٰ اور

بَدَا لَا إِسْلَامَ غَيْرَهَا وَسَيَعُوذُ كَمَا بَدَا فَطَوُّ بِي لِلْغُرَبَا - اور آزاد لوگ
اکثر حق گو اور حق پسند ہو کرتے ہیں لہذا حق گوئی اور حق پسندی بسبب
آزادی کے قائل کو حاصل تھی وہ بھی مغفرت کا باعث ہو سکتی ہے اور
درحقیقت آزادی اسلام کا نام ہے۔ قائل نے اپنے کو شخص مردہ قرار
دیا ہے اور یہ کلام یعنی یہ لاش بے کفن الخ اور حق مغفرت کرے الخ
فرضی غیر شخص کا کلام ہے۔

شمار سیم غوبت مشکل پیدا یا تماشا یہی کف برد صید و لیل پیدا یا

شمار = یعنی حساب اور گنتی۔ یہ شمر دن سے امر کا صیغہ ہے اور یہاں بمعنی
حاصل صیدا یا ہے صبحہ = یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ بظاہر القسم سے یعنی
ضمہ کے ساتھ آیا ہے بعض لوگ اسکو فتح کے ساتھ بولتے ہیں مگر فتح
کے ساتھ بولنا غلط ہے۔ تبیح کو کہتے ہیں۔ اور سبجہ دار اور سبجہ
اور سبجہ گردان اور سبجہ وراس کے مرکبات میں بت = حقیقت میں
اُس شکل کو کہتے ہیں جسے ہندو لوگ پتھر وغیرہ سے تراش کر یو جتے ہیں
چنانچہ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مثنوی
بتے دیدم از عاج در سونمات + مَرَصَع چو در جاہلیت منات + چنان
صورتش بتہ مثال گر + کہ صورت نہ بند از ان خوب تر + عربی میں
صنم کہتے ہیں اور صنم کی جمع اَصْنَام آتی ہے۔ اور بت اشرفی
اور بت زر اور بت تراش اور بت خانہ اور بت خشتان اور بت شکن

اور بت کدہ اور بت گر لفظ بت کے مرکبات ہیں۔ مگر اسکے مجازی معنی
یہ نہیں ہیں بلکہ مجازاً عاشق اپنے معشوق کو بت کہتا ہے کیونکہ عاشق
اپنے معشوق کو انتہا درجہ میں عزیز جانتا ہے اور دوست رکھتا ہے چہ
سہو دت حقیقی کو دوست رکھتے ہیں لہذا اسکے مجازی معنی معشوق اور
محبوب کے ہیں مرغوب = یعنی پسندیدہ اور رغبت کیا ہوا۔ مشکل پسند
یعنی دشوار پسند اور مشکل کو پسند کر نیوالا۔ یہہ سم فاعل ترکیبی ہے۔
مشکل اسم اور پسند امر کا صیغہ ہے پسندیدن سے تماشاً = اصل میں یہہ
لفظ تماشی ہے اسکے معنی میں باہم پیادہ چلنا اور فارسی میں دیکھنے اور
نگاہ کے معنی میں۔ یہاں دیکھنے کے معنی مراد میں اور تماش خانہ
و تماش کدہ و تماش گاہ و تماش گر و تماشائی اس کے مرکبات ہیں۔ دل
برون = یعنی دل لیجانا۔ معشوقی کرنی۔ دلبری یعنی معشوقی۔ شاعر
کہتا ہے کہ عابدون کا یہ کام کہ ستودانوں کی تسبیح پاتہ میں رکھتے ہیں
معشوق کو مرغوب آیا کیونکہ دانہ تسبیح کو دل کے ساتھ تشبیہ ہے لہذا
معشوق سمجھتا ہے کہ میں بھی اس طرح ایک دم میں ستودل اڑاؤں گا چہ
عابدون کے ہاتھ میں ستودانوں کی ایک تسبیح ہے یہ اس طرح میرے
ہاتھ میں ستودل آجائیں گے اور اسی عنوان سے میں دلربائی اور دلبری
کروں گا۔ ۵ شمار سبجہ مرغوب بت شکل پسند آمدہ تماشائے بیکف
برون صد دل پسند آمدہ آیا کی جگہ آمد رکھ دینے سے سالم مطلع فارسی
ہو گیا۔ مرزا غالب بے انتہا مغلوب الفارسی ہیں۔

فیض بیداری نو مید جاوید آسان ہے کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا

یعنی عاشق لوگ ہمیشہ ناامید اور مایوس ہوتے ہیں کیونکہ ان کو وصال معشوق کی امید نہیں ہوتی۔ اور نو میدی عاشقی کا فیض ہے جو عاشقوں کو ملا، اور عاشقی کے فیض سے نو میدی جو ایک کٹھن اور مشکل چیز ہے آسان ہو گئی ہے۔ امیدوار بودہ بعافیت باشند کا سامنوں ہے۔ جب دل باختہ یعنی دل عاشق شدہ کا یہ حال ہے تو گویا کشائش کا راہ و حصول عا ہو چکا یعنی وصال معشوق حاصل ہو گا۔ کشاد کار نے عاشقوں کے لگو پسند کر لیا ہے۔ کشاد کار شیع و طنز کی راہ سے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشقوں کے دل کی کشاد و شگفتگی نہیں ہوتی اور ہمیشہ کار عشاق بند ہوتا ہے ہماری کشائش کچھ نہیں اور صرف نو میدی ہماری کشائش کا نام ہے اور جب کو نو میدی کہتے ہیں وہی ہماری کشائش ہے بیدلی = عاشقی نو میدی = مایوسی۔ جاوید = دوام۔ ہمیشہ کشائش کو پسند آیا یعنی کشائش نے پسند کیا۔ عقدہ مشکل = دل باختہ یعنی دل عاشق شدہ وہ دل جو عاشق ہو گیا ہے اس کو دل باختہ باضافت کہتے ہیں اور یہاں عقدہ مشکل سے دل باختہ مراد ہے اور بہتہ استعارہ ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں ہے کی جگہ است لکھ دینے سے پورا مصرع فارسی ہو جاتا ہے مصرع فیض بیداری نو میدی جاوید آسان است۔

ہوئے ہر گل آئینہ بے مہر قاتل کہ انداز بخون غلیتہ رن پسند آیا

قاتل سے مراد معشوق ہے اور پہلے مصرع کے یہہ معنی میں کہ معشوق کے
 جو رجھا اور اُس کے ظلم و ستم کی نماندہ یعنی دکھانے والی یہہ بات ہے
 کہ اُس کو سیر گل کی آرزو اور گلگشت کی خواہش ہوئی ہے۔ آئینہ کے حقیقی معنی
 شہور میں جس کو عربی میں مرآۃ کہتے ہیں مگر یہاں مجازی معنی مرد میں
 اور مجازی معنی اس لفظ کے نماندہ اور دکھانے والے کے ہیں کیونکہ
 آئینہ ایک آلہ ہے جو صورتوں کو دکھاتا ہے۔ ہوا سے سیر گل مبتدا اور
 آئینہ بے مہری قاتل اس کی خبر ہے۔ ہوا کے مجازی معنی آرزو و خواہش
 و تمنا کے ہیں۔ ہوا اور گل اور آئینہ اور مہر اور خون اور بسمل و خون و گل
 صنعت مراعاة النظر ہے۔ اور وجہ مناسبت ہوا و گل میں فعل ہے کیونکہ ہوا
 پہلوں کو کھولتی ہے۔ اور آئینہ و مہر یعنی آفتاب میں صنعت وجہ مناسبت
 کیونکہ دونوں روشن اور صاف و شفاف ہوتے ہیں اور بعض آئینے آفتاب
 کی شکل پر بنے اور گول ہوتے ہیں مگر آئینہ میں تناسب کی وجہ صرف صفائی
 و روشنی ہے نہ شکل۔ آئینہ بھی روشن ہوتا ہے اور آفتاب بھی روشن
 ہوتا ہے۔ خون اور گل میں وجہ مناسبت صنعت یعنی رنگ ہے کہ دونوں
 سرخ ہوتے ہیں اور خون و بسمل بھی صنعت مراعاة النظر ہے اور وجہ تناسب
 فعل ہے کیونکہ بسمل سے خون نکلتا ہے اور خون کا نکلنا بسمل کے ساتھ
 مناسبت رکھتا ہے۔ مزار نے در حقیقت صنعت مراعاة النظر کے متعلق
 یہ عجیب شعر کہا ہے جس میں کثرت سے مناسبات معنوی ہیں بسمل یعنی
 نابالغ۔ چونکہ بسمل لہو میں لوثا ہے اور لہو کے رنگ سے سرخ ہو جاتا ہے

اور گل ہی سراپا سُرُخ رنگ ہوتا ہے لہذا گل کو بسل قرار دیا ہے اور کہتا ہے
 کہ گل گویا ایک بسل ہے جو سرتاپا خون آلود ہے اور ہمارا معشوق اُسکی
 سیر کو جاتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ معشوق جفا پسند اور ظلم دوست ہی کیونکہ
 وہ ندبو حات کی سیر کو جاتا ہے اور ندبو حات کی سیر اُسکے پسند ہے۔
 بسل سے مراد یہاں گل ہے نہ بسل حقیقی کیونکہ مصرع اول میں سیر گل کہا ہے
 بخون غلتیدن بسل یعنی گل خون میں لوٹ رہا ہے بسل کی طرح یا یہ کہ
 گل میں بخون غلتیدن بسل کا انداز ہے۔ بخون غلتیدن بسل یعنی بسل کا خون
 میں لوٹنا یا یون کہنے کے بسل جو خون میں لوٹتا ہے۔ یہ طرز اور یہ تراکیب
 سیرا عبد القادر بیدل کے ہیں جو اہل لسان کے پاس ناپسندیدہ اور غیر
 مطبوع ہیں۔ آیا کی جگہ آد لکھ دیجئے تو سالم شعر فارسی ہو جاتا ہے
 ہواے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل کہ انداز بخون غلتیدن بسل پسند آمد
 بے مہری یعنی ظلم و ستم اور جور و جفاء۔ مہر محبت اور الفت کو کہتے ہیں
 مہر بمعنی آفتاب بھی آیا ہے گریہاں یہ بمعنی مقصود و مطلوب نہیں ہیں
 بے فارسی میں واسطہ نفی کے آتا ہے۔ بے مہری یعنی بے الفتی و محبتی
 انداز یعنی طور اور طریقہ۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں
 بمعنی ناز و ادا بھی استعمال ہوتا ہے کہ = کاف تعلیل کا ہے جو بے مہری کی
 علت اور بے مہری کا سبب بیان کرتا ہے۔ کیونکہ سیر گل میں بخون غلتیدن
 بسل کا ماثلاً نظر آتا ہے۔

یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی ہوا

دیرین نقش و فوجہ تلی ہوا

یعنی معشوق اپنی یوفانی سے شرمندہ نہیں ہوتے اور اسلئے معشوقان دنیا
و محبوبان ماہ سہما کی وفاداری بے معنی بات ہے۔ مطلب یہ کہ معشوقوں سے
وفا کی امید نہ کہنی چاہئے کیونکہ معشوق بیوفابو اگر تھے میں نقش و فا
یعنی نقش و فامعشوقوں کا وجہ تسلی = باعث تسلی عاشقوں کا۔
شرمندہ وہی شخص نہوگا جو بے حیا ہوگا لہذا لفظ کی شرمندگی یہ ہے کہ بے
معنی ہو۔ معشوق جو وفا کا وعدہ کرتے ہیں اُس سے عاشقوں کی کچھ تسلی
تو ہو جاتی ہے مگر انجام کچھ نہیں لہذا نقش و فا کو غیر تسلی اور تسلی نہیں دے والا
قرار دیا ہے دوسرے بالفتح زمانہ وغیرہ نقش و فا = یعنی لیاقت و فا۔
صورت و فا و استقرار حلم و فا۔ تسلی = یعنی دلجوئی اور خوش عیشی۔
لفظ = جو بولی آدمی کے منہ سے نکلتی ہے اُسکو لفظ کہتے ہیں خواہ وہ کلمہ
ہو یا بامعنی مگر بیان لفظ بے معنی مراد ہے کیونکہ شرمندہ معنی نہوا کہتا ہے۔ یہ
اسکا مشارا لیبہ و فا ہے

سبز خط سحر کا کل سرکش دنیا یہ زرد بھی حریف دم افغی نہوا

یہ زرد = یعنی سبز خط۔ زرد سبز رنگ ہوتا ہے اور سبز خط بھی مال نہری
ہوتا ہے لہذا سبز خط کو زرد قرار دیا ہے۔ خط مجازاً سبز نورستہ
کو بھی کہتے ہیں جو رخسار کے اطراف ظاہر ہوتا ہے اور پشت لب سے
شروع ہوتا ہے اور اسکی تشبیہ سبزہ کے ساتھ دیجاتی ہے حریف
یعنی مقابل اُپیہ مجازی معنی ہیں حقیقت میں شخص ہم پیشہ کو حریف

کہتے ہیں۔ اور یہاں مجازی معنی مقصود ہیں و م افعی = یعنی افعی کی
 سانس۔ یہاں افعی سے مراد کا کل ہے کیونکہ کا کل کو افعی کے ساتھ
 تشبیہ دیتے ہیں۔ کا کل بمعنی زلف بھی آیا ہے اور حقیقت میں جو
 بال پشت سر کی جانب میں ہوتے ہیں ان کو کا کل کہتے ہیں مگر اس شعر میں
 کا کل کے معنی زلف کے ہیں۔ افعی = سانیوں کی قسموں میں سے
 ایک قسم ہے جو نہایت نرم و نازک ہوتی ہے۔ دہنا = مغلوب ہونا۔ زیر ہونا
 اور یہ مجازی معنی ہیں۔ سبزہ خط کی دلکشی اور دلچسپی شہور ہے کیونکہ
 جو سبزہ خط آغاز ہوتا ہے وہ بہت خوشما ہوتا ہے چنانچہ میرزا صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **یا قوت آبدار تو آورد عاقبت خط**
بروے کار کہ ریحان بگرد رفت اور اسیری کہتا ہے **چون سبزہ**
دمیدہ شد بہستان رخت بشلگفت بنفشہ در گلستان رخت
 اور کسی کا اردو شعر ہے **کیون نہ دل شیعہ ہوتا مرا اس گل و پڑ**
حسن کا جوش بھی تھا سبزہ کا آغاز بھی تھا۔ اب شاعر کہتا ہے
 کہ اے معشوق تیرا کا کل سرکش اس قدر خوشما ہے کہ اسکی خوشمائی
 سبزہ خط کی خوشمائی سے بہتر ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ سبزہ خط کے
 سامنے تیرا کا کل سرکش بجا گیا اور خط کی دلکشی کا کل کو بے رونق
 کر دیگی مگر ایسا نہ ہوا اور تیرا کا کل ہمیشہ کی طرح سرکش بنا رہا اور سبزہ خط
 تیرے کا کل کا مقابل ہونے لگا۔ درحقیقت یہ شعر کا کل کی تعریف میں کہا ہے
 اور کا کل کو سبزہ خط سے زیادہ تر خوشما قرار دیا ہے۔

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ سے بچوں
وہ مگر مر مر پر بھی راضی نہ ہوا

اندوہ = یعنی غم و الم۔ وفا = یعنی وعدہ بجالانا اور دوستی انجام کو پہنچانی اور کسی بات کے وعدہ کو پورا کرنا۔ کہتا ہے کہ میرا حقوق ایسا ظالم ہے کہ میرے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا کیونکہ مر جانے میں اندوہ وفا سے رہائی ہو جاتی مگر اُس نے میری رہائی نہ چاہی۔ بہ سبب ظلم و ستم گری کے یہ شاعرانہ مضمون ہے اور شعر صاف ہے۔

دل گذر گاہ خیال میں غریبی
اگر نفس جادہ سنزل تقویٰ نہ ہوا

نفس = دوز برس۔ اس لفظ کے معنی دلم اور سانس کے ہیں۔ یہہ لفظ مذکر ہے جیسا کہ مرزا نے یہاں استعمال کیا ہے مگر میرے خیال میں یہہ لفظ مؤنث باندھا جائے تو بہتر ہے۔ نفس کو جادہ اور راستہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور وجہ شبہ نفس کی آمد و رفت اور درازی ہے کیونکہ نفس دراز شے ہوتی ہے اور نفس میں جو آمد و رفت ہے وہ ظاہر ہے۔ گر = مخفف اگر کا ہے مگر اب اردو میں متروک ہے۔ جادہ = راستہ۔ سنزل = سراس موقع پر زائد آیا ہے۔ سنزل یعنی سنزل۔ تقویٰ = پرہیز گاری و خدا ترسی۔ گذر گاہ = گذر کی جگہ ہی = زائد نہیں آتا بلکہ حصہ و انحصار کے لئے آتا ہے۔ اس شعر میں دوسرا مصرع شرط اور پہلا مصرع اسکی جزا ہے اگرچہ قاعدہ نحو کے لحاظ سے

شرط اول آنا چاہئے اور جزا اُسکے بعد مگر جزا کی تقدیم شرط پر اشعار میں جائز ہے۔ یہ شعر صاف اور عمدہ اور فلسفیانہ ہے یعنی اگر ہمارا دم اور ہماری سانس منزل تقویٰ کا راستہ نہ بنی تو خیر نصیب ہی ہمارا دل بیکار نہ رہے بلکہ خیال شراب و جام کی گذر گاہ ہو جائے یعنی ہمارے نفس کو ذکر الہی اور تسبیح و تہلیل نصیب نہ ہوے تو انہی۔ ہمارا دل شراب کے خیال میں مصروف و مشغول رہے اور ہم شراب نوشی کیا کریں مطلب یہ کہ بیکاری بڑی چیز ہے اگر آدمی کو خیر نصیب نہ ہو تو شر ہی میں مبتلا رہے مگر بیکار نہ رہے ۛ دل گذر گاہ خیال سے وساغراید ۛ مگر نفس جادہ سر منزل تقویٰ نشو و نما سے تغیر میں سالم شعر فارسی بن گیا۔ حضرت قبلہ کا ہی مولانا والہ مرحوم و مغفور نے اس شعر کی شرح میں جو باریک کی قید لگائی ہے درحقیقت نہایت عمدہ اور بامزہ و پر لطف ہے اور اُسکو اعلیٰ درجہ کا شاعر سمجھ سکتا ہے یہاں باریک بڑے کام کا لفظ ہے کیونکہ جادہ نفس کی صفت باریک ہو سکتی ہے۔

ہوں تیرے وعدہ کرنے میں بھی شک نہیں کہہاں کہوش منت کش گلباہت ملی نہوا

کہ = کاف تعلیل کا ہے اور اسکے معنی کیونکہ ہیں۔ کہ کہی دوسرے مصرع کے متعلق ہے جو پہلے مصرع میں آگیا ہے اگرچہ فارسی میں بھی استلواؤں کے کلام میں کہیں کہیں اس طرح آیا ہے مگر حقیقت میں رکیک ہے لہذا استحسن الترك ہے کیونکہ جو چیز مصرع ثانی کے متعلق ہے اُسکو مصرع اول میں داخل کرنا ضرور

وزن یا عجز طبیعت کی دلیل ہے۔ منت کش = احسان اٹھانے والا
 گلبانگ = مجازاً آواز کے معنوں میں آتا ہے اور حقیقت میں غنچوں کے
 چٹخنے کی آواز کو جو شاعروں کے پاس ایک فرضی آواز ہے گلبانگ کہتے
 ہیں یہ لفظ مرکب ہے لفظ گل دربانگ سے تسلی = خوشی۔ گوش = گوش
 مذکر ہے مصرع گوش منت کش گلبانگ تسلی شدہ۔ نشہ کہنے سے مصرع
 فارسی ہو گیا۔

کس سے محرمی قسمت نکالے گی
 ہم فرچا ہاتھ کہ مرین سے وہی نہوا

یعنی اگر ہم مر جائے تو ہمو آفتون سے نجات ملجاتی اور اسی واسطے ہم نے
 ایسی خواہش کی تھی۔ مرانے اسی غزل میں کہا ہے ۵ میں نے
 چاہا تھا کہ اندوہ و فاسے چھوٹوں ۶ وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا
 ظاہر ہے کہ دونوں شعروں کا مطلب ایک ہے اس سے معلوم ہوا کہ غزل
 میں تکرار معنی معیوب نہیں ہے۔

مر گیا صدیک جنبش سے لب
 نا توانی سحر حریف دم عیسیٰ نہوا

کہتا ہے کہ میں سبب نا توانی کے لب معشوق کی ایک جنبش میں مر گیا اور چونکہ
 میں لب معشوق کا مارا ہوا تھا لہذا حریف دم عیسیٰ نہوا کیونکہ حریف دم عیسیٰ بنا
 اپنے لئے ننگ عار سمجھا۔ جب ایسے معشوق زریا کے کشتہ و مقتول ہو گئے تو
 پھر کیا زندہ ہوتے۔ زندہ ہونے کو اپنے لئے ننگ سمجھا کیونکہ لب معشوق نے

مارا ہے عاشقوں کو معلوم ہے کہ بعض وقت معشوق اپنے ہونٹوں کو ناز و لگاؤ
 کے ساتھ کچھ حرکت دیتے ہیں جس کا مطلب صاف سمجھنے میں نہیں آتا مگر
 افسوس ہوتی کوئی بات ضرور ہے اور اپنے معشوق کی جھنجھٹ عاشقوں کو
 بہت پیاری معلوم ہوتی ہے اور عاشق اپنے خیال میں جوش عشق کی وجہ سے
 اس اشارہ کے سیکڑوں معنی تصور کر لیتا ہے۔ صدمہ = آسیب اور
 ایک دفعہ باہم کو ٹٹا۔ یہاں پہلے معنی یعنی آسیب مراد ہیں اور چونکہ یہ دونوں
 کا باہم ملانا کو ٹٹنے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے لہذا لفظ صدمہ سے
 اس شعر میں صنعت ایہام تناسب پیدا ہو گئی اور یہ تازہ و جدید لفظ ہے
 جو اس صنعت میں مستعمل ہوا ہے درحقیقت میرزا صاحب نے نہایت عمدگی
 اور تازگی کے ساتھ اس لفظ کو یہاں استعمال کیا ہے اور یہ لفظ اس
 صنعت میں معمولی لفظ نہیں ہے۔ یہاں اس لفظ کے دوسرے معنی
 مقصود نہیں ہیں مگر جنبش لب کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ یک جنبش
 لب سے = یعنی یک جنبش لب معشوق سے حرلیف = اس لفظ کے حقیقی
 معنی ہم پیشہ اور شریک اور حرف کنندہ کے ہیں اور مجازی معنی ہم صحبت
 اور ہم نشین کے ہیں کیونکہ جو ہم پیشہ ہو گا وہ کبھی نہ کبھی ہم صحبت اور ہم
 ہو گا۔ سے = سبب ہے ناتوانی سے یعنی سبب ناتوانی کے دم عیسیٰ =
 عیسیٰ علیہ السلام کی سانس جو مردوں کو زندہ کرتی تھی اور یہ عیسیٰ علیہ السلام
 کا معجزہ تھا۔ مر گیا اور نہوا کا فاعل خالص ہے۔ یہ شعر عجزہ خیال بندی کا
 ایک عمدہ نمونہ ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام کے اندر محذوفات کے

ہونے سے متعدد معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور درحقیقت خیال بند ہی میں
 اکثر یہ بات ہوتی ہے کہ ضروری الفاظ حذف کر دئے جاتے ہیں تاکہ
 سامع شش و پنج میں پڑ جائے اور بلا تامل بلکہ غرض و تامل سے بھی
 نہ سمجھے کہ قائل کیا کہتا ہے میزرا صاحب نے اس شعر میں لب کا مضاف
 الیہ حذف کر دیا ہے لہذا اس شعر کے سننے سے سامع کو بلا تامل یہ بات
 معلوم نہیں ہوتی کہ لب سے مراد لب معشوق ہے یا لب عیسیٰ۔ اب وہ
 اطراف و جوانب میں تلاش کرتا ہے اور اپنا خیال چار طرف دوڑاتا ہے
 تاکہ مضاف الیہ کو پیدا کرے مگر وہ نہیں ملتا لہذا شعر کے مطلب کی طرف
 اپنا خیال پھیلا یا تو یہ مضمون ذہن میں آیا کہ حریف دم عیسیٰ نہونے کے
 کیا معنی۔ کیا دم عیسیٰ کوئی خراب چیز ہے جس کا حریف بننا قائل نہیں
 چاہتا ہے تو فوراً یہ بات ذہن میں آئی کہ دم عیسیٰ نہایت پاکیزہ و مقدس
 اور مردوں کو زندہ کرنے والی شے ہے جب قائل ایسی عمدہ شے کا حریف
 ہونا نہیں چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ اُس سے بہتر اور عمدہ تر کوئی شے
 قائل کو ملی ہے جسکی وجہ سے اُسکو یہ بے پروائی اور بے اعتنائی ہوئی
 ہے اب پھر سامع یہ سوچنے لگا کہ وہ کیا شے ہوگی اور اسی سوچ کے
 ساتھ قائل پر نظر ڈالی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے تو معلوم ہوا کہ شاعر
 اور شعر اکثر اپنا ایک فرضی معشوق مقرر کر لیتے ہیں اور قائل کو جس چیز کے
 ساتھ عشق ہوتا ہے وہی شے اُس کے پاس عزیز تر اور عمدہ تر ہوتی ہے
 لہذا یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ لب معشوق مراد ہے نہ لب عیسیٰ کیونکہ معشوق

بہت عزیز ہے۔ اُس کے لئے ایک مقدس شے سے دست بردار ہو رہا ہے

تائیش کرنا ہر تقدیر میں رضوان کا والگلدستہ ہے بخود و کج طاق انسان کا

تائیش کر = تعریف کرنا والا۔ تائیش = تعریف و توصیف کر = یہاں
اگر کا مخفف نہیں ہے بلکہ ایک حرف ہے جو اسم فاعل کے معنی دیتا ہے
بخود = مست و بیہوش باغ رضوان = یعنی جنت۔ اور رضوان
جنت کے داروغہ کا نام ہے گلدستہ = چند پھولوں کو ایک جگہ جمع کر کے
جو ایک ستہ اور مجموعہ بناتے ہیں اُسکو گلدستہ کہتے ہیں اصل میں
یہ لفظ دستہ گل ہے مگر محاورہ میں بقلب صاف تے یعنی گلدستہ بولتے
ہیں۔ کہتا ہے کہ ہم بے خود و ن کو اپنی بخودی میں وہ سیر کھائی تھی ہے
کہ ہم جنت کو بھول گئے یعنی ہماری بخودی سیر و تماشے کے لحاظ سے
جنت سے بہتر ہے اپنی بخودی کی توصیف کی ہے کہ ہم اپنی بخودی میں
تمام کائنات کی سیر کرتے ہیں بلکہ ہم ذات باری تعالیٰ کو دیکھتے ہیں
جس کا جمال پاک سب سے بہتر ہے اور اسی لئے جنت کو بھول گئے۔ یہاں
بخودی سے عالم محویت کی بخودی مراد ہے نہ کہ شراب کی بخودی۔
جنت طاق انسان کا گلدستہ ہے۔ یعنی جنت کو ہم بھول گئے
اور جنت کو فراموش کر گئے۔ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے یہ مضمون
کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اگرچہ زبان کا فرق ہے۔

بیان کیا کیجئے بیدار کاوش کا شوق	کہ ہر قطرہ خون ہر تسبیح مرجان کا
----------------------------------	----------------------------------

یعنی عشق یار میں یاد دہار یار کی تمنائیں میری آنکھوں نے جقدر خون سیر
دل و جگر میں تھا اسکو کینچ کینچ کر قطرہ قطرہ بہا دیا۔ آنکھوں کی بیدار سے
اب میرے دل و جگر میں کچھ نہ رہا کیونکہ آنکھوں نے ایک ایک
قطرہ کو دانہ تسبیح مرجان کی طرح حساب شمار کر کے بہا دیا۔ ظاہر ہے
کہ دانہ دانہ تسبیح کا حساب و شمار رکھا جاتا ہے۔ قطرہ خون اور
دانہ تسبیح مرجان میں تشبیہ نامہ ہے کاوش = کاویدن کا حاصل
بالمصدر ہے بیان کیا کیجئے یعنی ہم بیان نہیں کر سکتے یعنی بیان کے
قابل نہیں کیا = یہاں نفی کی واسطے آیا ہے۔

کیا آئینہ خانیکہ نقشہ تیر چلو	کر چو پر تو خورشید عالم شبنمستان کا
-------------------------------	-------------------------------------

یعنی تیرے صفائے حسن کے مقابلے میں آئینہ خانہ غیر محسوس و زنا پیدا ہو گیا
جیسے آفتاب نکلتا ہے تو شبنم غائب ہو جاتی ہے۔ نقشہ = نقشہ حال
اور کل پر تو = عکس و چہاؤن۔ عالم = نقشہ اور حال۔

مری تعمیر ہے مضمراک صورت خرابی کی	ہیوئی و من خوں گرم دہقان کا
-----------------------------------	-----------------------------

تعمیر = عمارت بنانا اور آباد کرنا۔ مگر یہاں فقط بنانے کے معنی لئے ہیں
جس کو فارسی میں ساختن کہتے ہیں مضمرا = پہلے میم کو پیش اور دوسرے

میم کو زبر ہے اور ضو او اور سے ساکن ہیں۔ اس لفظ کے معنی پوشیدہ
 اور مخفی کے ہیں۔ خرابی - یعنی ویرانی اور تباہی و بربادی سیولی
 اس لفظ کے متعدد معنی ہیں جیسا کہ لغات اور دشنیون میں لکھا ہے
 کہ ہر ایک چیز کی اصل و ہر ایک چیز کی ماہیت اور ہر ایک چیز کے مادے
 کو سیولی کہتے ہیں۔ اور حکمائے اپنی اصطلاح میں اس لفظ کی یہ تعریف
 کی ہے کہ سیولی اُس جو ہر کو کہتے ہیں جو صورت جسمانی کا محل اور حلول
 گاہ ہوتا ہے اور جو ہر اول کو بھی سیولی کہتے ہیں اس طرح صوفیہ
 کی اصطلاح میں اس کے معنی کچھ اور ہیں یعنی روح اعظم اور طبیعت
 کل کو سیولی کہتے ہیں الغرض اس لفظ کے ان معنوں کے سواے اور
 کئی معنی ہیں جنکو میں نے یہاں بخوف طوالت ترک کیا اور مینرا غالب
 مرحوم کے اس شعر میں لفظ سیولی کے وہی معنی ہیں جو حضرت قبلہ گاہی
 مولانا والہ مرحوم نے وثوق صراحت میں لکھے ہیں یعنی
 مادہ - اور مادہ کے معنی اصلیت و مواد کے معنی ہیں۔ برق خرمن
 باضافت - انبار غلہ کی بجلی - یعنی وہ برق جو خرمن پر گرے اور اسکو
 جلا دے - خرمن = ہالکے انبار غلہ - تودہ غلہ - انارج کا ڈھیر -
 و ہقان = کسان - مزارع - کیتی کرنیوالا - خون گرم = باضافت
 تپاک و جوشش دلی اور الفت و محبت کو کہتے ہیں اور مجازاً بمعنی سعی
 و کوشش آتا ہے - یہ شعر معنًا صاف ہے مگر اسمین الفاظ کچھ دقیق
 ہیں اسی لئے میں نے پہلے لفظوں کے معنی لکھ دیے - شاعر حسن

جانتا ہے کہ یہ شان غزل کی نہیں ہے بلکہ قصیدہ کا انداز ہے کیونکہ دقیق
 اور مشکل لفاظ غزل میں خوشنما نہیں معلوم ہوتے بلکہ قصیدہ میں نہایت
 زینت ہے میں میری رائے میں جس قصیدہ میں شکوہ لفظی نہ ہو وہ قصیدہ ہی
 نہیں ہے غزل میں ایسے دقیق لفظوں کا استعمال کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم
 ہوتا مگر بعض لوگوں کا مذاق ہی ایسا ہوتا ہے جو علاج پذیر نہیں -
 میرزا صاحب اس شعر میں اپنی بد بختی اور بد نصیبی کو ظاہر کرتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ لوگ جو کوشش اور سعی میری صلاح و فلاح کے واسطے
 کرتے ہیں وہ کوشش میرے لئے عین تباہی و بربادی کا باعث ہو جاتی
 ہے کیونکہ میں اصلیت و ماہیت کے لحاظ سے خرابی اور ویرانی کی شکل
 و صورت ہوں اور میرے محسن کی سعی و سفارش میرے لئے ہی مضر نہیں ہے
 بلکہ میرے محسن کو بھی نقصان پہونچاتی ہے کیونکہ خرمن کے جل جانے
 سے دہقان کا نقصان ہوتا ہے۔ اس شعر میں اپنے محسن و مربی کی
 تشبیہ دہقان کے ساتھ دی ہے۔ خون گرم دہقان کا یعنی کسان کی
 سعی و کوشش سیول برق خرمن کا ہے یعنی برق خرمن کا مادہ ہے
 یعنی اسکی کوشش خرمن کو جلا دیتی ہے۔ مگر میرے آباد کرنے میں
 ایک شکل و صورت خرابی اور ویرانی کی پوشیدہ ہے یعنی میں آباد
 نہیں ہو سکتا ہو کیونکہ دراصل اور ورپردہ میں ویرانی اور خرابی کی شکل ہوں
 لہذا جو کوئی میرا محسن و مربی بنتا ہے وہ خود نقصان اٹھاتا ہے اور
 میرے امیدوں کا دھیر خاک و راک ہو جاتا ہے۔ تعمیر اور خرابی

صفت تضاد ہے۔

اگاہی گھیرن ہر سوسہ روایتی تماشا کر	مدا کہونے گھاس کے پیسہ دربان کا
-------------------------------------	---------------------------------

ویرانی = منادی۔ اسے حرف ندا مخدوف ہے یعنی اسے ویرانی۔ تماشا کر دیکھ۔ تماشا کرنا یعنی دیکھنا۔ یہ فارسی محاورے یعنی تماشا کردن کا ترجمہ ہے۔ ویرانی تماشا کر یعنی اسے ویرانی دیکھ۔ ہر سو = ہر طرف۔ سب کے جوانب میں۔ کل اطراف میں یعنی میرا گھر ویران ہو گیا ہے اور اُس کے دروازے اور دیواریں گر گئیں ہیں اور اُس کے ہر ایک جانب میں سب اگاہ ہوا ہے جیسا ویران اور اقدادہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ اسے ویرانی اس حالت کو دیکھ۔ دوسرے مصرع میں سب سے کی کثرت کا بیان ہے یعنی سب سے اس قدر اگاہ ہوا ہے کہ میرے گھر کا دربان اُسکو کھود کر بیچتا ہے اور اُسکی قیمت پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے دربان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اب میرے دربان کی یہی تنخواہ ہے کہ میرے خانہ ویران کی گھاس بیچ کر اُسکی قیمت لیتا ہے

خوشی میں ناخوشی کہو آرزو میں	چرخ مہر ہون میں ناخوشی میں
------------------------------	----------------------------

اگرچہ میں خاموش ہوں اور زبان سے کچھ نہیں کہتا اگر میرے دل میں لاکھوں روئیں خون شدہ موجود ہیں۔ غریبان = غریب کی جمع ہے اور غریب اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے وطن میں نہ ہو۔ گور غریبان یعنی اُن لوگوں کو قبر پر دیس میں مرے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص پر دیس میں مرا ہے

اُسکا کوئی پرسان و جویان نہیں ہوتا کیونکہ شخص غریب الدیار کو کوئی جانتا اور پہچانتا نہیں۔ جب غریب الدیار کی ایسی حالت ہوتی ہے تو پھر اُسکی قبر پر چراغ کون جلاتا ہے۔ کیونکہ قبر پر چراغ روشن کرنا اہل بدعت کے یاس اعزاز و امتیاز کی بات ہے۔ لہذا دوسرے مصسوع کے مجازاً یہہ معنی ہیں کہ میرے احوال اور میرے آرزو کا کوئی پرسان و جویان نہیں ہے۔

سہوار ایک تو نقش خیال یا باقی ہو | دل فسرہ گویا حجرہ یوسف کے زندان کا

یعنی جمال یار کے تصور سے میرا دل سطح نورانی اور منور ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے قید خانے کا حجرہ منور تھا۔ مگر = ظاہر ہے کہ زندان یوسف کا حجرہ یوسف علیہ السلام کے فروغ حسن و جمال کی وجہ سے نورانی اور منور تھا اشیاء کہتا ہے کہ ہمارے دل فسرہ میں ایک ذرا سا خیال جو ہمارے معشوق کا ہے تو اُسکی وجہ سے ہمارا دل بھی حجرہ یوسف علیہ السلام کی طرح منور اور نورانی ہے۔ اس شعر میں مضمون کی نزاکت یہہ ہے کہ اپنے معشوق کے حسن و جمال کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے بہتر قرار دیا ہے دل فسرہ مشبہ اور حجرہ یوسف علیہ السلام مشبہ اور منور ہونا وجہ مشبہ ہے۔ میر تو = عکس و شبیہ۔ چہاؤن = نقش = صورت افسردہ = غمگین۔ کھلایا ہوا = غمگین اس کے مجازی معنی ہیں اور یہاں مجازی معنی

مراد ہیں یہ اسم مفعول ہے اور اسم مفعول بمعنی اسم صفت آتا ہے۔ دل
افردہ یعنی ہمارا دل افردہ۔ ہمارا مخدوف ہے۔ گویا = حرف
تشبیہ ہے۔ درحقیقت لاجواب شعر کہا ہے۔

بغل میں غم کی آج آسوتے ہیں نہ	سب کیا خوبیں آ کر تبسم ہوں نہ
-------------------------------	-------------------------------

معتوق کو قریب کے ساتھ جو وصل ہو گا تو عاشق کی آرزوگی کا باعث ہو گا
اور معتوق کا یہ کام ہے کہ اپنے عاشق کو تاوے اور رنج دیوے اور
اسی غرض سے کہ عاشق کو رنج پہونچے غیر کی بغل میں سو رہا ہے اور عاشق
کو ستانیکے لئے اُسکے خواب میں آکر نہتا ہے جس تبسم کی خیالی اور وہی
یہ تعبیر ہے کہ ہم نے غیر کو اپنے وصال سے کامیاب کیا ہے یعنی معتوق
جو خواب میں آکر مسکراتا ہے تو عاشق بدگمانی کی راہ سے یہ سمجھتا ہے
کہ غیر کو وصال معتوق حاصل ہوا ہے اور ایسا واسطے معتوق مسکراتا ہے
کہ دیکھو تمکو ہم نے اپنے وصال سے محروم رکھا اور غیر کو کامیاب کر دیا
لہذا عاشق اور زیادہ غم کہتا ہے کیونکہ عاشقی میں وہم اور بدگمانی
اور جنون بہت ملے ہوئے ہوتے ہیں تبسم = حقیقت میں مسکرائیکو
کہتے ہیں اور ہنس کے معنوں میں بھی متعل ہوتا ہے نہان کہم صفات میں آتا ہے اور ہم
نہان ایسے تبسم کو کہتے ہیں جسکو سوائے عاشق کے دوسرے لوگ دیکھ نہ سکیں
یعنی معتوق اس طرح چپکے پاد پٹہ کا دامن وغیرہ آڑ کر کے مسکرائے
کہ صرف عاشق اُسکو دیکھے اور دوسرا شخص نہ دیکھنے پایا وے اور معتوق

ایسا تسم اُسی وقت کرتا ہے جبکہ خود بھی اپنے عاشق پر اُمل ہو۔

نہین معلوم کس لہو پانی ہوا گا	قیامت سے شک لودہ نہ پانی نہ گانا
-------------------------------	----------------------------------

سرسر شک = اشک ر آنسو کو کہتے ہیں اصل میں سرشک ہے از قبیل چشمہ
 و سر نہج کے۔ قیامت ہے = یعنی بڑا کام ہے۔ بڑی بات ہے
 کارِ بزرگ و ہم عظیم ہے۔ یہہ چہ قیامت است کا ترجمہ ہے اور فارسی
 والے چہ قیامت است نہایت آفت خیز کے معنوں پر بولتے ہیں
 مژگان کا سرشک لودہ ہونا کنایہ ہے رونے سے۔ کہتا ہے کہ اسے
 معشوق تو جو روتا ہے یہہ ایک بہت بڑی بات ہے اور یہہ ایک
 آفت خیز معاملہ ہے۔ نہین معلوم تو نے کون کونسے عاشقانِ فاوار
 کا قتل کر دیا ہے کہ جسکی وجہ سے اب پچھتا رہا ہے اور روتا ہے
 کہ کیوں قتل کر دیا اُن کے وجود سے تو میری شہرت و زنا موری اور
 بہلائی تھی۔ حاصل یہہ کہ معشوق اپنے عاشقانِ صادق کے مقتول ہو جانے
 پر روتا ہے۔ کس کس کا یعنی کون کونسے عاشقانِ صادق کا۔
 پانی ہونا۔ یعنی بہنا کیونکہ پانی ایک سیال اور بہنے والا عنصر ہے
 لہذا پانی ہونے کے مجازی معنی بہنے اور روان ہونے اور جاری ہونے
 کے ہیں۔

نظیر میں ہمارا جاؤ راہِ فنا لب	کہ شیرازہ عالم کو جزیرِ شیراز کی
--------------------------------	----------------------------------

یعنی غائب پرمی نظر میں جادہ راہ فنا ہے کیونکہ جادہ راہ فنا عالم کے اجزائے پریشان کا شیرازہ ہے۔ یہاں اشارہ جادہ راہ فنا ہے نہ نظر۔ عالم یعنی دنیا کو کتاب قرار دیا ہے۔ جادہ کے معنی راستہ کے ہیں پھر جادہ راہ فنا اضافت دراضافت محل تائل سے شاید ضرورت وزن کے لحاظ سے اس طرح کہا ہے اب بعض لوگ اسکی تقلید کر کے قالب تن بیجان وغیرہ کہا کرتے ہیں اہل سان کے کلام میں اس طرح دیکھنے میں نہیں آیا۔ دنیا کے جو پریشان اجزا ہیں یعنی خواہشات نفسانی اور شہوات بہیمی یہ سب موت کا خیال باندھنے سے فنا ہو جاتے ہیں اور اسی واسطے یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ موت کا ذکر مادم لذات ہے یعنی خواہشات نفسانی اور طمع دنیوی کی وجہ سے آدمی پریشان خاطر رہتا ہے مگر جب موت کو یاد کرے اور انجام کو دیکھے اور غاتمہ پر نظر ڈالے تو دلکو کچھ جمعیت حاصل ہو جاتی ہے۔

نہو کیا باندگی فوق کم میرا جہاں جو قرار نقش قدم میرا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ میرا نقش قدم بھی میرے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے بطرح موج کے ساتھ موج کے بلبلے چلے آتے ہیں اور جہاں موج سے یہ معنی نکلتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرا

ذوقِ صحر اگر دی کہی کم نہوگا۔ مولانا ذوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 وہ ہون میں رہ نورِ شوق میرے ساتھ جاتا ہے + ہر رنگ سائے
 مرغ ہوا نقشِ قدم میرا + اور اس ہجیمیز کا شعر ہے **وہ شوق قطع**
 راہ ہے مجھ کو کہ دشت میں + مجھ سے بھی گرم تر مرانِ نقشِ قدم ہوا +
 ان تینوں اشعار کا مضمون ایک ہے مگر پیرایہ جدا جدا ہے اور مضمون
 یہ ہے کہ مجھ کو ذوقِ دشت نوردی و شوقِ صحر اگر دی بچو بے انتہا ہے
 اور میری رے میں ذوقِ علیہ الرحمۃ کا شعر سب سے بہتر ہے کیونکہ نہایت
 تشبیہ کے علاوہ قریب الفہم ہے۔ مرزا غالب نے یہ مضمون نقشِ قدم
 متعلق کہا ہے اور درحقیقت جنابِ موجہ رنقار کی تشبیہ تازہ و جدید
 مگر بعید الفہم ہے اور جو دلچسپی ذوق کی تشبیہ میں ہے وہ اس تشبیہ میں
 نہیں ہے مگر تاہم عمدہ تشبیہ ہے ماندگی = تھکاوٹ - تکان -
 یک سیابان = کثرت اور افراط کے موقع پر بولتے ہیں اور اس کے
 معنی کثیر اور بے انتہا اور نہایت کے ہیں۔ موجہ = موج اور موجہ
 مترادف ہیں یعنی جو معنی موج کے ہیں وہی معنی موجہ کے ہیں۔ موجہ
 فرید علیہ ہے موج کا اور موجہ کی تاکید ہے۔

محبوب گل سے ہاں میں تاج میرا	مجھے بھی چین ہے لیکن یہ وہی ہے
------------------------------	--------------------------------

یعنی اب بولے گل میرے موافق مزاج و سازگار طبیعت نہیں ہے بے ماعی
 یعنی بے پروائی و اعراضِ انکار۔ بولے گل کو موج کے ساتھ تشبیہ تین

اور ہر ایک بو کو موج کے ساتھ شبیہ دے سکتے ہیں مگر بو کی افراط و طغیانی و کثرت شرط ہے اگر افراط بو کی نہ ہو تو اس کو موج کے ساتھ شبیہ نہیں دے سکتے۔ اس شعر کے مضمون سے بو سے فراق آتی ہے اور فراقیہ مضمون معلوم ہوتا ہے۔ کہ = کاف بیانہ ہے جو بے دماغی کا حال بیان کر نیلے لئے آیا ہے چمن سے = یعنی چمن کے ساتھ۔ یہہ معیت کے معنی دیتا ہے۔ موج بو کے گل سے یعنی بسبب معراج بو کے گل کے۔ یہہ سے شبیہ اور علت بیان کرتا ہے۔ شعر نہایت عمدہ اور صاف ہے۔

سپر پارہن عشق گزیر الفتی عباد برق گزیرا اور فوس حاصل کا

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **۵** ہرگز نہیر دآنکدش زندہ شد بعشق و ثبت است بر جریہ عالم و دام ما۔ اور میر حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **۵** در عاشقی ہیر حسن تا شوی تمام نشیدہ ہر آنکہ میر و تمام شد۔ ان ابیات کا حاصل یہ ہے کہ عشق و عاشقی میں جو شخص مر جاتا ہے وہ زندگی و دام پاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص عاشق پاک ہو کر مرے گا وہ شہید کا درجہ پائیگا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ عَشِقَ وَعَفَّ وَمَاتَ مَمَاتٍ شَهِيدًا اب میرزا غلام یہ فرماتے ہیں کہ میں سپر پارہن عشق ہوں لہذا مجھ کو حیات جاوید و زندگے دوام حاصل ہوئی ہے اور اس حیات جاوید کے حاصل کرنے میں میں مجبور

و معذور ہوں کیونکہ سراپا مرہون عشق ہوں اور عشق و عاشقی پاک کا بیہ متجہ
 ہے کہ حیات جاوید حاصل ہو جائے مگر میں نے جو عشق و عاشقی کی تھی
 تو اُسکی غرض اور غایت یہ تھی کہ میں فنا کا طالب تھا اور معدوم ہونا
 چاہتا تھا کیونکہ عشق کو مہلک اور جان ستان اور فنا کنندہ جانتا تھا
 مگر میرے غندیہ کے برخلاف مجکو ہستی حاصل ہوئی اور ناگزیر ہستی کی
 محبت و الفت میرے واسطیکہ ہوئی لہذا میرزا صاحب دوسرے مصرع میں
 تعجب و تعجیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق جو برق کے مانند ہے اسکی عبادت
 محض سوختہ و فنا ہونے کے لئے کرتا تھا مگر مجکو فنا کے عوض میں بقا حاصل
 ہوا تو اس حاصل پر جو میری مرضی اور میری خواہش کے برخلاف ہے
 افسوس کرتا ہوں کیونکہ مقتضائے عالم زندگانی افسوس ہے۔ المختصر
 یہ کہ ہم نے عاشقی کر کے حیات جاوید حاصل کیا جو ہم کو ناگوار اور ناپسند
 ہے۔ کیونکہ ہم تو فنا کے طالب تھے۔ اس شعر میں تعقید معنوی بہت
 کچھ ہے اور یہ شعر جادو خیال بندی کا عمدہ نمونہ ہے۔ کیونکہ ایک صاف
 مضمون کو کقدیر پیچیدہ بنا کر لکھا ہے۔ پہلا مصرع پورا فارسی ہے مصرع
 سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی۔

بقدرِ ظرفِ ساقیِ خاشنہ کا مٹی بھی جو تو دیر یا مٹی تو میں خمیا رہن سا حل

ظرف = یعنی حوصلہ استعداد و لیاقت۔ خمیا زہ = انگڑائی۔ شاعر نے
 اس شعر میں ساقی کو دیر یا سے اور اپنی ذات کو سا حل سے تشبیہ دی ہے

بقدر = باندازہ۔ بمقدار۔ تشنہ کامی = تشنگی اور پیاس۔ خمار = اعضا
 تشنگی و دردِ سر وغیرہ خراب حالت جو شراب کاشنہ اتر جانے کے بعد پیدا ہوتی
 ہے۔ ساقی = منادی یعنی اسے ساقی۔ کہتا ہے کہ جقدر ساقی کے
 پیاس شراب ہے اسی قدر میں تشنہ اور پیاسا ہوں یعنی ساقی سے مجھ کو
 کوئی فائدہ اور فیض حاصل نہیں ہے اگر ساقی دریا سے شراب ہے تو
 میں ساحل تشنہ کامی ہوں یعنی مجھ کو ساقی سے کچھ فائدہ نہیں چنانچہ مرزا
 صاحب تبریزی رحم فرماتے ہیں ۵ تہی دستان قسمت راجہ سودا از
 رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکن در را۔ مرزا غالب
 کہتے ہیں کہ میرا بھی ایسا ہی حال ہے۔ حالانکہ ساقی دریا ہی شراب ہے
 مگر میں ساحل کی طرح تشنہ کام اور ناکام ہوں باوجودیکہ ساقی سے نزدیک
 ہوں مگر فیض یا بہنیں ہوں اور تشنہ دہن و خشک لب ہوں جیسے ساحل
 کہ دریا سے نزدیک ہے مگر تشنہ اور خشک و رسو کہا ہوا ہے۔

جس قدر ساقی فراخ حوصلہ ہے اسی قدر میں محروم قسمت ہوں۔ طرف
 یعنی طرف ساقی۔ طرف کا مضاف الیہ جو ساقی ہے اُس کو قابل نے حذف
 کر دیا ہے تاکہ کلام میں دقت اور اشکال پیدا نہ ہو۔ یہاں یہ بات معلوم کرنا
 ضرور ہے کہ طرف کس کا طرز بیان سے ظاہر ہے کہ یہاں ساقی کا ظرف
 مراد ہے۔ اس شعر میں ایک پہلو یہ ہے کہ ساقی سے طلب شراب پائی جاتی
 ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شخص خمار زدہ ساقی سے شراب طلب کرتا ہی
 اور شراب مانگتا ہے۔ جیسے کوئی غریب آدمی کسی امیر سے کہے کہ اب امیر میں

تو میں فقیر ہوں اس جملہ میں کنایتہ ایک گونہ طلب مال اور سوال پایا جاتا ہے۔
- اگرچہ صراحت نہیں ہے

محرم نہیں ہے تو ہی نوائے ازکا | یاں رُزہ حجاب ہے رُزہ ہنساکا

یاں = یعنی دنیا میں یا محفل سماع یا نرم نشاط میں۔ محرم = رازدار۔ واقف کار اور یہ مجازی معنی ہیں۔ بعض گروہ صوفیہ کے پاس سماع جائز ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسکے ذریعہ سے تقرب الی اللہ حاصل ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس شعر میں مخاطب علماء سے ظاہر ہیں یا وہ لوگ مخاطب ہیں جو سماع کے مخالف ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اسے مخالف سماع تو نوائے راز کا رازدار اور واقف کار نہیں ہے اگر تجکو وقوف ہوتا تو تو ہر ایک حجاب کو پردہ ساز تصور کرتا۔ یعنی سماع کی مخالفت عدم وقوف کی وجہ سے ہے۔ ساز میں پردہ ہوتے ہیں لہذا حجاب کا لفظ ساز کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ نوا = یعنی نغمہ اور موسیقی کے مقاموں سے ایک مقام کا نام ہے لہذا یہ لفظ بھی ساز کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ حجاب = پردہ

رنگِ شکستِ صبح بہا رُزہ | یہ وقت سے شکفتن گلہائے ناز کا

ناز = سوائے معنی شہو کے سر کے اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اسکو ناز اس واسطے کہتے ہیں کہ شامل نہیں ہوتا۔ یہ بات معلوم ہے کہ سر کو پھول اور پھل نہیں ہوتے یہاں شاعر نے یہ مضمون اخذ کیا ہے کہ ہم عاشقوں کا

گلستان اور ہم عاشقوں کی صبح بہار ہمارا ہی رنگ شکستہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔
 جیسے سروناز کو پہول اور پہل نہیں ہوتے اسے طبع ہماری صبح بہار نظارہ کو
 پہول اور پہل نہیں ہوتے بلکہ یہاں صبح بہار ہی نہیں ہے صرف ہمارے ہی
 رنگ شکستہ کا نظارہ ہے۔ یہاں باغ کہاں اور یہاں بہار کہاں۔ یہاں
 سروناز کے پہول کہل رہے ہیں ظاہر ہے کہ سرو کو پہول نہیں ہوتے اس سے
 یہ بات نکالی کہ جلو بہار اور باغ نہیں ہے بلکہ ہم شکستہ خاطر اور شکستہ
 ہیں **شوکت بخارائی** کا شعر ہے **سے** ز جوش گریہ ماگہ سوارہ بیتاب۔
 بیاض دیدہ آہست شیر دایہ ماہ جو علما اور ادبا شوکت کی طرز خیال ہندی
 سے نا آشنا اور نا واقف تھے انہوں نے شوکت کے اس شعر پر یہ اعتراض
 کیا تھا کہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہوتی اور بعض صاحبوں نے
 ارشاد فرمایا تھا کہ شاید ایران کے ہرنوں کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہوگی
 غرض خیال بندی نے بہت سے لائق لوگوں کو بھکا دیا اور یہ بات
 ذہن میں نہ آئی کہ قابل کا عین مقصود یہی ہے کہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی
 نہیں ہوتی ہے اور اس واسطے یہ کہا ہے کہ ہماری دایہ کا رودہ چشم
 آہو کی سفیدی ہے چونکہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہوتی لہذا اس سے
 یہ استعارہ کیا کہ رودہ نہیں ہے۔ مرزا غالب مرحوم چونکہ شوکت کے
 مقلد تھے لہذا انہوں نے شوکت کی اسی ترکیب سے یہ ترکیب نکالی جو
 اور در حقیقت مرزا کا یہ شعر اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور مرزا کی عالی
 دماغی اور نازک خیالی کا عمدہ ثبوت ہے رہا ہے۔ خیال بندی ہے

عمدہ چیز مگر اسی وقت جب اُسکے اصول اور قواعد مقرر ہو جائیں۔ مگر غالب کے
 اس شعر کے معنی جو میں نے بیان کئے ہیں اُن کے سوا کسی کوئی دوسرے
 معنی مبروط اور چسپان نہیں ہوتے۔ شوکت بخارائی کا ایک اور شعر
 اسی قسم کا ہے وہ کہتا ہے **سیندھ اندبان میں کلام مرا نوشتہ**
اندبا آب عقیق نام مرا۔ آب عقیق = کوئی سیال چیز نہیں ہے جس سے
کچھ لکھ سکیں۔ پس آب عقیق یعنی جلای عقیق اور رونق عقیق۔ لہذا دوسرے
مصرع کا یہ مطلب ہے کہ بتان میں مجھ کو بہول گئے اور فراموش کر گئے۔ دیکھئے
خیال بندی اور تازہ تراکیب یہ ہیں جو نہایت لذیذ اور دلچسپ ہوتے ہیں
مگر بعض مضمون چادہ خیال بندی میں بالکل غیب اور بے پتہ ہوجاتے ہیں
یہ اون کے مصنفوں کی کم استعدادی کا باعث ہے یا خیال بندی کے
فروع اور اصول مقرر نہ ہونے کا سبب ہے یا یہ چادہ ہی کچھ ایسا ہے کہ کہیں
بہار اور لطف دیتا ہے اور کہیں درد سہل اور رنج پہونچاتا ہے اور کہیں غما
از نظر پہونچاتا ہے نظارہ۔ یعنی دیکھنا۔ یہ لفظ تشرید کے ساتھ ہی
مگر تخفیف کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ رنگ شکستہ = یعنی رنگ فتنہ۔ جو
رنگ چہرہ سے اڑ گیا اُس کو رنگ شکستہ کہتے ہیں۔ شکستہ رنگ کے
صفات میں سے ہے۔

تو اور سو غیظ نظر ہائے تیز تیز	میں اور دکھ تیرے مٹنے کے دراز کا
--------------------------------	----------------------------------

دونوں مصرعوں میں اور ملازمہ کا ہے یعنی تیرے لئے وہ لازم ہے اور میرے لئے

یہ لازم ہے یعنی غیر کی طرف تیز تیز نگاہیں کرنا تیرے لئے لازم ہے
اور تیرے مژگان دراز کا غم کہا نا میرے لئے لازم ہے۔ مطلب یہ کہ
مشتوق جو غیر کی جانب دیکھتا ہے تو مجھ کو غم والہم ہوتا ہے دکھ =
رنج و اندوہ و غم والہم - غیر = رقیب -

صرفہ ضبط آہ مین میرا - و گریزہ | طعمہ ہون ایک نفس جانگداز کا

صرفہ یعنی فائدہ و منفعت و نفع - طعمہ = نوالہ و لقمہ نفس = دم اور
سانس - اگر ضبط آہ نہ کروں تو ایک ہی نفس جانگداز کا طعمہ ہون لہذا ضبط
آہ مین میرا صرفہ ہے -

ہین بسکہ جوش بادہ شیشہ اوچل ہے | ہر گوشہ بساط ہے شیشہ باز کا

جب شراب تیز اور تند ہوتی ہے تو شیشے شراب کے خود بخود اچھلتے ہیں اور
ٹوٹ جاتے ہیں جیسے سوڈا واٹر اور لمونینڈ کے شیشے کہ جب سوڈا وغیرہ
تیز اور پر جوش ہوتا ہے تو شیشے خود بخود اڑتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے
ہو جاتے ہیں - بساط = یعنی فرش - از بسکہ جوش بادہ سے شیشے
اوچھل رہے ہیں لہذا بساط کا ہر ایک گوشہ گویا شیشہ باز کا سر ہے -

کاوش کا دل کر سے تقاضا نہی ہو | ناخپ قرض اگر نیم باز کا

گرہ نیم باز سے مراد دل ہے - دل و گرہ مین تشبیہ ہوتی ہے وجہ شبہ

کو چکی اور مدور ہونا ہے۔ نیم باز = یعنی نیم کشادہ اور آدھا کھلا ہوا۔
 کرے ہے = اب متروک ہے اسکی جگہ میں کرتا ہے یا کرے گا کہتے ہیں
 کہ = کاف تعلیل کا ہے اسکے معنی میں کیونکہ۔ یہاں ناخن کے حقیقی
 معنی مراد ہیں کیونکہ دل کو گرہ نیم باز کہا ہے اور گرہ کے لئے ناخن
 حقیقی درکار ہے نہ مجازی۔ کاوش = کا فتن کا حاصل بالمصدر
 ہے کاوش یعنی کھودنا۔ تفحص و تحسس۔ یہہ کا و کا و کا مترادف ہے
 اور اس کے معنی میں اسی رسالے میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اس شعر
 میں دل قرض دہ اور ناخن قرض گیر اور کاوش قرض ہے اسی واسطے
 دل اپنے مال کا تقاضا کرتا ہے جو کاوش ہے۔

تاراج کاوش غم بھرا سدا | سینہ کہ تھا دھینہ گہرائے راز کا

دھینہ = جو مال زمین میں دفن ہو اسکو دھینہ کہتے ہیں۔ مجازی معنی
 خزانے کے ہیں۔ سینہ بند اور تاراج کاوش غم بھرا ان اسکی خبر اور
 ہوا فعل ناقص ہے۔ اسدا = مناد می یعنی اے اسد۔ یعنی غم بھرا ان نے
 میرے سینہ کو جو گہرائے راز کا دھینہ تھا برباد کر دیا یعنی غم بھرا ان نے
 ہیکو مار ڈالا اور ہمارے مرگ کا باعث ہوا اور ہماری کچھ قدر انکی سے
 تاراج کاوش غم بھرا ان بشد اسد + سینہ کہ بدھینہ گہرائے راز راہ ذرا
 تغیر میں شعر فارسی ہو گیا۔

بزم شایستہ میں اشعار کا دفتر کھلا | رکھو یا یہم گنجینہ گوہر کھلا

گنجینہ گوہر یعنی بزم شائہشاہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے شائہشاہ کو شعرو
 شاعری کا ذوق و شوق ہوا ہے اور خود شائہشاہ شعر کہتے ہیں اور
 شاعروں کی قدر کرتے ہیں چونکہ میں بھی شاعر ہوں لہذا یہ دعا دیتا ہوں
 کہ خداے تعالیٰ بزم شائہشاہ کو قایم رکھے تاکہ میری بھی کبھی کچھ قدر ہو جا
 اور انعام و خطاب مل جائے۔ پہلا کہلا ماضی مطلق کے معنی پر اور دوسرا
 کہلا اسم مفعول کے معنی پر ہے۔ مصرع ثانی میں جو کہلا ہے اُسکے یہ معنی
 میں کہ کہلا ہوا۔ ایچدا یہ در گنجینہ گوہر یعنی یہ در بزم شائہشاہ کہلا ہوا
 رکھو۔ رکھو اب متروک ہے اسکی جگہ میں رکھو یا رکھنا کہتے ہیں۔ دوسرے
 معنی یہ ہیں کہ گنجینہ گوہر اشعار کا دفتر ہے۔ اور بزم شائہشاہ اُس گنجینہ
 در ہے یعنی بزم شائہشاہ میں عمدہ اور منتخب اشعار جو ابھر کے جیسے میں اُنکا
 تذکرہ اور چرچا ہے لہذا میں جو شاعر اور سخن شناس ہوں دعائے خیر
 دیتا ہوں کہ وہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا رہے۔ دونوں معنوں کا حاصل
 ایک ہے کہ بادشاہ کو شعرو سخن کا ذوق و شوق ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ
 کو سلامت رکھے۔

شب سو ہی سچہ رنجم خندہ کا منظر کہلا	اس تکلف سے کہ گویا تبتکہ کا در کہلا
-------------------------------------	-------------------------------------

ظاہر ہے کہ جب ہندو لوگ تبتکہ کا دروازہ کھولتے ہیں تو روشنی کرتے ہیں
 اور چراغیں جلاتے ہیں اور بجلی نواع و اقسام کی آرائشیں اور کلفات کرتی ہیں
 منظر۔ یعنی نظر گاہ مناظر اسکی جمع ہوا رنجم۔ ستائے۔ کو اکب۔ رنجم اسکا واحد ہے

گرچہ یونانیہ پریوت دو کا کہان ب | آئین میں نہنیاں ہاتھ میں شتر کہلا

دشمنہ حقیقت میں سا طور کو کہتے ہیں جس سے گوشت کا شتے میں اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے سا عداور کلائی کی تشبیہ کے ساتھ دیجاتی ہے جیسے بروکی تشبیہ کمان اور تلوار سے اور نظر کی تشبیہ تیر اور تلوار سے دیتے ہیں۔ یہ شعر مرزا نے سا عدا مشوق کی تعریف میں کہا ہے اور اس کے سا عدا حسین کو اپنے لئے دشمنہ سا طور فرادیا ہے یعنی جس ہاتھ میں فصہ دیوانہ کے لئے شتر ہے وہی ہاتھ میر سے لئے باعث جنون ہو رہا ہے۔ اس شعر میں دوست کا لفظ ایسا ہے کہ نفاق کے معنی میں نہنیاں ہوتے کیونکہ منافق کو دوست کہہ نہیں سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ طعن و طنز کی راہ سے دوست کہا ہوا اور مراد دشمن ہو مگر ان معنوں میں تعقید معنوی بہت ہے۔ کھلا = یعنی کہلا ہوا۔ ماضی مطلق کا ضیغہ اسم مفعول کے معنوں میں آتا ہے۔

گو نہ چہو اسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بہید | پیر کیا کم کہ مجھے پیری پیکر کہلا

اسکی باتیں اور اسکا بہید اضماع قبل لذر ہے ان ضمیروں کا مرجع پیری پیکر ہے جو مصرع ثانی میں آیا ہے۔ گو = اگرچہ۔ ہرچہ۔ پیر = یعنی مگر چہاں استسا کیواسطے آتا ہے مگر پیر ان معنوں میں اب متروک ہے۔ پیری پیکر = پیکر پیری دارندہ۔ پیکر جسم اور چہ کو کہتے ہیں۔ یہ اسم صفت مرکب ہے اور ایسے معشوق کو کہتے ہیں جسکا جسم زسرا یا بہت حسین اور خوبصورت ہو۔

ہے خیال حسن میں جن عمل کا خیال | خلد کا ال در ہے میر کو راند کہلا

کہلا یعنی کہلا ہوا حسن عمل کا سا یعنی حسن عمل کی طرح اور حسن عمل کی مانند

منہ نہ کہلنیزیر و عالم کہ دیکھا نہیں
نزلے سے بڑا نقاب اس شخص کے کہلا

عالم یعنی حالت و کیفیت۔ بعض عورتوں اور معشوقوں کے چہرہ پر نقاب بہت خوشنام معلوم ہوتا ہے اور بعض کے چہرہ پر برعکس۔ نقاب مذکور ہے جیسا کہ مرزا نے بیان کیا ہے۔ مگر لکھنؤ والے نقاب کو مونث باندھتے ہیں چنانچہ امانت کہتے ہیں کہ چہرہ سے اپنے دور جو اس نے نقاب کی رنگت سفید شب کو مہوی ماہتاب کی منہ نہ کہلنے پر یعنی حالانکہ منہ نقاب کے اندر ہے۔

در پہ رہنے کو کہا اور کہلے کیسا پھیر گیا
جتنے عرصہ میں مر لپٹا ہوا بستر کہلا

یعنی میرا معشوق ایسا متلون المزاج ہے کہ مجھ کو در پہ رہنے کو کہا اور جب میں نے اس کا حکم سن کر ایسا بستر اس کے دروازے پر کہولا تو اس نے میں معشوق نے مجھ کو منع کر دیا اور یہ کہہ کر کہ اپنا بستر اٹھا لے اور یہاں سے چلے یا فرار ہو۔ غرض اس شعر میں شاعر نے اپنے معشوق کا متلون اور عدم استقلال بیان کیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ معشوق بسبب تلوں کے مجھ سے بہت جلد منحرف ہو گیا اور اپنے قول سے پلٹ گیا۔ عرصہ یعنی مدت اور وقت اور اتنا۔ کہلا یعنی در پر کہلا۔

کیوں اندھی رہی رہی شمع سے ہلا و کانزول
آج ادھر کی ہریگا دیدہ اختر کہلا

اندھیری اور شب تاریک میں کو اکب اور تارے زیادہ چمکتے ہیں اور سبب چاند کی روشنی نہ ہونے کے تاروں کی روشنی اور درخشندگی شب تار میں بہت بڑھ جاتی ہے لہذا اس شعر کا مضمون بدایت اور فطرت آسمانی کے برخلاف ہے اور اس شعر میں بدایت کا انکار ہے۔ شاید شاعر نے اپنے عالم خیال میں ایک بات فرض کر لی ہے جو بے لطف ہے جو لوگ فطرت کے دلدادہ اور حقائق کے گرویدہ ہیں وہ اس شعر کے مضمون سے غالباً متعجب ہوں گے اور اس شعر کی شرح میں یہ قید لگانی کہ عرش پر سے بلائیں اُترتی ہیں اور عرش کو منسوب بہ بلیات و آفات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ادب کے خلاف ہے اور عرش جو اللہ تعالیٰ کا استوا گاہ ہے اسکو عیب لگانا اور بدنام کرنا شعر اور غیرہ نے آسمان کو بلا کے ساتھ منسوب کیا ہے نہ عرش کو اس شعر کے معنی جو میرے ذہن میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ غم کی رات میں ہمارے گھر میں اندھیری ہے اور چراغ نہیں ہے اور تاروں کی اور چاند کی روشنی بھی ہمارے گھر میں نہیں آتی ہے کیونکہ ابر حائل ہے اور تاروں کی آنکھیں یا مہتاب کی آنکھیں ابر و سحاب کی طرف کھلی ہوئی ہے نہ ہمارے گھر کی جانب۔ فارسی میں ضرب المثل ہے مصرع خانہ درویش را شمع بزر مہتاب نیست۔ میرزا یہ کہتے ہیں کہ غم کی رات میں ہمارے گھر کو شمع مہتاب بھی نصیب نہیں ہے کیونکہ ابر حائل اور مانع ہے اور دیدہ مہتاب برکطیف کہلا ہوا ہے۔ بہر حال اس شعر میں اپنی بد بختی اور بد قسمتی کو ظاہر کیا ہے کہلا۔ یعنی کہلا ہوا۔ ماضی مطلق بمعنی اسیم مفعول آتا ہے۔ میرزا صاحب کی

اس طرز گفتار میں صرف اشارات و کنایات ہیں جبکہ ہر ایک شخص جدا جدا
 معنی بیان کرتا ہے اور اشارات و کنایات میں ہوتا یہی ہے کہ کوئی معنی
 معین و مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاں صراحت اور وضاحت نہ ہو تو سامع کا
 خیال اور اک معنی کے لئے چوتھوں طرف دوڑتا ہے اور جو معنی اُس کے ذہن میں
 مارک ہوں انہی معنوں کو کچھ یقین اور کچھ شبہ کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ قائل کا
 مقصد ہے ایسا سطلے ایسی طرز گفتار کو شعر اے فصاحت شعار ناپسند کرتے
 ہیں اور معیوب جانتے ہیں کیونکہ وہ آیات و بیانات کے شائق و طالب ہیں
 اس شعر کے ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ دیدہ اختر ہمارے
 معشوق کی طرف کہتا ہوا ہے نہ ہماری طرف - یعنی کواکب و سیارات ہمارے
 معشوق کے نظارہ میں اور ہمارے محبوب کے دیکھنے میں مصروف ہیں لہذا
 اُن کی روشنی ہمارے کاشانہ تک نہیں پہنچتی - اور اسوجہ سے ہمارا گھر
 تاریک ہے اور ہمارے گھر میں بلاؤں کا نزول ہو رہا ہے اُدھر ہی کو =
 یعنی معشوق کے طرف -

شب کے برق سوز دل سے ہر ابر آتجبا	شعلہ جوالہ ہر یک حلقہ گرد آتجبا
----------------------------------	---------------------------------

اس شعر کے مصرع ثانی میں تنہا کی جگہ بود لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی
 بنجاتا ہے مصرع شعلہ جوالہ ہر یک حلقہ گرد آ بود اور پہلے مصرع میں
 اور تنہا دونوں لفظ اردو کے ہیں باقی کل الفاظ اور تراکیب فارسی کے ہیں -
 میزرا کا کلام سمجھنے میں اردو والوں کو جو دو قسمین پیش آتی ہیں از انجملہ

ایک وقت یہ بھی ہے کہ میرزا کے کلام میں فارسی بہت ملی ہوئی ہے اور فارسی
 یہی وہ فارسی جو میرزا بیدل اور ناصر علی کی فارسی ہے نہ کہ فصحا سے عجم کی
 فارسی ظاہر ہے کہ بیدل اور ناصر علی کی فارسی میں ایسے مشکل تراکیب اور پیچیدہ
 اسالیب کثرت سے موجود ہیں جو اصلی فارسی یعنی روزمرہ ایران میں نہیں
 ہیں اس واسطے اہل لسان اور ان کے پیرو بیدل اور ناصر علی کی فارسی کو
 فارسی ہندی اور بے معنی اور لغو و پوچ و پا و ہوا و خرافات کے خطابات
 دیا کرتے ہیں۔ حوالہ = بہت اطراف پہنچو والا۔ یہ مبالغہ کا نتیجہ ہے۔
 اسکا مصدر جُول ہے اور جُول کے معنی اطراف پہنچنے کے ہیں۔ یہ لفظ
 شعلہ تیز و تند کی صفت میں اکثر آتا ہے۔ شعلہ جوالہ یعنی وہ شعلہ جو جلا
 کے لئے اطراف بہت پھرتا ہو۔ جُول فتح کے ساتھ آتا ہے
 یعنی جیم پر فتح ہے۔ زہرہ آب ہو نا = زہرہ پگھل جانا
 یعنی نامرد ہو جانا بہت ڈرنا۔ نہایت خوف کہا نا یہ فارسی
 محاورے زہرہ آب شدن کا ترجمہ ہے زہرہ فارسی میں پتے کو
 کہتے ہیں شاعر نے اس شعر میں سوز دل کو برق کے ساتھ
 تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے کہ میرے سوز دل سے رات کو
 ابر بہت ڈرتا تھا کیونکہ میرے سوز دل کا ہر ایک شعلہ حوالہ حلقہ گرداب
 کی مانند تھا۔ ظاہر ہے کہ جوشی گرداب میں آ جاتی ہے وہ پھر نجات
 نہیں پاتی اور گہوم گہوم کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس واسطے ابراہنی
 ہلاکت سے خوف کہا تا تھا کہ مبادا کسی شعلہ جوالہ میں پھنس جائیگا

تو ہلاک ہو جائیگا۔

وان کرم کو غدا بارتش تھا عنان گیر خرام
گریہ و بیان نینہ بارتش کف سیلاب تھا

یعنی ہمارے پاس نے میں معشوق کو یہ عذر تھا کہ بارتش ہے اسوجہ سے
معشوق آہنہیں سکتا تھا کیونکہ کیچڑ اور پانی میں آنا ممکن تھا اور معشوق کی
جدائی و فرقت میں ہمارا یہ حال تھا کہ ہم بہت روتے تھے اور ہم اس قدر
روئے کہ ہمارے گریہ سے ہماری بارتش کا نینہ کف سیلاب کی طرح پانی پر لینے
آب گریہ پر تیر رہا تھا بلکہ کف سیلاب نہ تھا نینہ بارتش ہی تھا جو تیر رہا تھا۔
نینہ اور کف میں مشابہت ہے اور وجہ شبہ سفیدی و نرمی ہے۔ بارتش
یعنی تکیہ۔

یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی
جلوہ گل و انسا با صحت اجبا تھا

یاں نفس الخ اس مصرع کی ترکیب بخودی یہ ہے کہ نفس فاعل ہے اور روشن
کرتا تھا اسکا فعل مرکب ہے اور شمع بزم بخودی مفعول بہ ہے یعنی ہمارا
نفس بزم بخودی کی شمع کو یہاں روشن کرتا تھا۔ روشن کرنا = مصدر
مرکب ہے نفس مذکر ہے جیسا کہ مزار نے یہاں باندھا ہے۔ اس مصرع
کے یہ معنی ہیں کہ ہم سبب شدت غم و اندوہ کے بخود ویہوش تھے۔

یاں سپر شور بخوابی سی تھا دیوار جو
وان وہ فرقنا ز محو بارتش کخواب تھا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ معشوق آرام و استراحت کر رہا تھا۔ فرق ناز
یعنی سہنا ز فرق تالو کو کہتے ہیں مگر یہاں قاعدہ مجاز مرسل کے رو سے
سہرا مراد ہے۔ محو یعنی مصروف و مشغول۔ بالمش = تکیہ کچھ اب =
ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہے جو قیمتی زرد دوزئی تکلف ہوتا ہے۔ پر شور = دیوانہ
شور سے بہرا ہوا۔ دیوار جو = دیوار دھونڈنے والا۔ جو یہاں امر کا
صیغہ ہے جستن سے۔ دیوار جو اسم فاعل ترکیبی ہے۔

ناگہان سرنگ سے نہاٹیکازنگا	دل کے ذوق کا دشناخن سے لیت تھا
----------------------------	--------------------------------

یہاں ناخن حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ ناخن مجازی مراد ہے۔ رنگ یعنی طرز
و طریقہ طور۔ ٹپکانے لگا کا فاعل دل ہے۔

نالہ و مین شب انداز اثر نایا تھا	تھا پسند نرم وصل غیر کو بتیا تھا
----------------------------------	----------------------------------

پہلے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ رات کو نالہ دل میں اثر نہتا اور نالہ دل غیر موثر تھا
مصرع دوم میں اثر نہونے کا ثبوت بیان کیا ہے اور اس مصرع کی ابتدا میں
کیونکہ کا لفظ مقدر ہے۔ اور اس مصرع ثانی کے یہ معنی ہیں کہ وصال یار
سے غیر کامیاب تھا کہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ دل میرا پسند نرم تھا ظاہر
ہے کہ پسند آگ پر بقیار ہوتا ہے اس سے یہ کنایہ کیا کہ میرا دل بقیار
اور بتیا تھا اور بقیار می کی وجہ یہ تھی کہ وصل غیر کو دیکھتا تھا چونکہ وصل
یار غیر کو حاصل تھا اور اس وجہ سے میرا دل بقیار تھا تو معلوم ہوا کہ نالہ دل

مین رات کو کچھ اتر نہیں تھا۔ اگر میری نالہ دل میں اتر ہوتا تو غیر کا سبب نہوتا۔ چونکہ سپند کو آتش پر ڈالنے سے چٹ پٹ کی آواز آتی ہے لہذا یہاں لفظ سپند نالہ دل کے ساتھ کمال مناسبت اور لطف رکھتا ہے۔ سپند = کسی قسم کے بیج اور تخم میں جنکو نظر بد دفع کرنے کیلئے جلاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہندی کے بیجوں کو سپند کہتے ہیں ذرا سے تغیر میں مصرع ثانی فارسی بن گیا مصرع بد سپند بزم وصل غیر را بیتاب بود۔

مقدم سدا سے دل کیا نشاط آہنگ	خانہ عاشق مگر ساز صد آہنج
------------------------------	---------------------------

نشاط آہنگ - یعنی خوشی کی الاپ رکھنے والا یعنی خوش و مسرور و نشاط و آہنگ نشاط دازندہ - یہ اسم صفت مرکب ہے اور یہ ترکیب خیال بندوں کی مختصر ہے۔ اہل سان ایسے تراکیب محدثہ سے احتراز کرتے ہیں مقدم = آنا۔ آمدن۔ ساز = ہاجہ کو کہتے ہیں۔ اس شعر میں کوئی معنوی خوبی نہیں ہے بلکہ پھیکا تکلف ہے۔ کیا = تعظیم کیواسطے آیا ہے۔ کیا نشاط آہنگ یعنی بہت نشاط آہنگ۔ دوسرے مصرع میں تھا کی جگہ بود لکھ دینے سے سالم مصرع فارسی بن گیا مصرع خانہ عاشق مگر ساز صد آہ بود۔ دیکھئے مرزا پر فارسی کس قدر غالب ہے

نارنشا یا خاکستر نشینی کیا کہوں	پہلو نیشہ وقف بستر بنجا تھا
---------------------------------	-----------------------------

یہ شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن جاتا ہے شعر نازش ایام خاکستری
چون گم + پہلو اندیشہ وقف بستر سنجاب بود -

یاد کرو دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دم کا | انتظار صید میں اک دید بخواب تھا

یعنی کسی دن تو عاشقوں کی تلاش کرتا تھا اور تجھ کو عاشق نہیں ملتے تھے
اور آج یہ حال ہے کہ سیکڑوں عاشق تیرے موجود ہیں اور تجھ کو انکی
کچھ پروا نہیں ہے -

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو | تو راجہ تو نے آئینہ مثال دار تھا

یہ شعر پیچیدہ اور مشکل ہے اور طرز خیال بندی کا عمدہ نمونہ ہے
اس شعر کی شرح میں یہ بات بتانی چاہئے کہ ماتم کا ہیکو کرتا ہے
اور ماتم کرنے کی وجہ کیا ہے لفظ آرزو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
یہاں آئینہ سے قائل کا دل مراد ہے کہ جہی کو تو قائل ماتم کر رہا ہے
یعنی اپنے دل کے ٹوٹنے کی وجہ سے ماتم کرتا ہے اور دل بھی ایسا دل
جو آرزو دن سے بہرا ہوا تھا مصرع دل راشتہ نہ کہ گوہر شکستہ کا
سامضمون ہے - یک شہر آرزو = شہر کو بلا اضافت پڑھنا چاہئے
اسکے معنی ہیں آرزو بقدر ایک شہر کے - مراد کثرت آرزو سے ہے
اس قسم کے تراکیب خیال بندوں کے یعنی ناصری اور ہیدل کے
کلام میں بہت مستعمل ہوتے ہیں بلکہ ان تراکیب کے بانی یہی لوگ ہیں -

اور = عطف ملازمہ ہے۔ یعنی مجھ کو لازم ہے کہ بہت ماتم کروں۔

گلیوں میں میری نعش کو کنیچے پر کھینچ کر	جان داؤہ ہوا میری سرنگزار تھا
---	-------------------------------

کہ = یعنی کیونکہ۔ کاف تعلیل کا ہے۔ جان داؤہ = مردہ ہوا
جان دادن یعنی مزا۔ مردن = نعش = جنازہ۔

موج سرب دشت و فاکانی چوچال	ہرزہ مثل جو ہر تیغ آبدار تھا
----------------------------	------------------------------

یہ شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا بیت موج سرب دشت و فاکانی
میرس حال ہرزہ مثل جو ہر تیغ آبدار بود و دیکھئے سیزا کی اردو
میں فارسی کس قدر ملی ہوئی ہے مگر ہمارے زمانہ میں ایسی اردو معیوب
و متروک ہے۔

وائے دیوانی شوق کہ ہرم مجھ کو	آپ چاہنا اُدھر و آپ ہی حیران
-------------------------------	------------------------------

مجاز اور حقیقت کے دونوں پہلو میں۔

عشرت پارہ دل زخم مناکہانا	لذتیش جگر غرق نکدان ہونا
---------------------------	--------------------------

عشرت پارہ دل زخم مناکہ خوردن۔ لذتیش جگر غرق نکدان بودن۔
کہانے اور ہونے کی جگہ خوردن اور بودن کے لکھ دینے سے
سالم شعر فارسی بن گیا۔

شب خار شوق ساقی رستیخیز اندازہ تھا تا محیط باد صوٹخانہ خمیازہ تھا

شب خار شوق ساقی رستیخیز اندازہ بودہ تا محیط بادہ صور تخانہ خمیازہ بود
دونو مصرعون میں تھا کا ابتدا خار ہے۔ یہ شعر المعنی فی بطن الشاعر
کا مصداق ہو اور ذرا سے تغیر میں پورا فارسی ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا
کہ گویا خاص میزرا بیدل کی زبان سے نکلا ہے بس اس شعر کی اس قدر
تعریف ہو سکتی ہے۔ اس شعر کو جو معنی چاہیں لگا دیں مگر الفاظ شعر سے
کوئی معنی معین و مشخص نہیں ہوتے۔ صور تخانہ یعنی تصویر خانہ

یک قدم وحشت سے در فتر امکان کھلا جاہ اجزائی عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک قدم وحشت سے در فتر امکان کشودہ جاہ اجزائی دو عالم دشت کا شیرازہ بود
شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا۔ مگر یہ فارسی ایرانی اور رومہ کے
مطابق نہیں ہے بلکہ بیدل اور ناصری کی فارسی خاص ہے۔ یک قدم
وحشت اور دو عالم دشت ایسے تراکیب ہیں جو اہل لسان کے کلام میں
نہیں آتے بلکہ رکیک اور لغو تراکیب ہیں۔ مخترع کا مقصود یک قدم
وحشت سے اندک وحشت اور دو عالم دشت سے بہت ویرانی ہے ان کیوں
کی صحت میں بہت کچھ تاثر اور کلام ہے اہل لسان کے پاس یہ تراکیب
صحیح نہیں ہیں درحقیقت یہ شعر بھی بے معنی ہے مگر شارحین کو اختیار ہے
کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل سے جو معنی چاہیں بنا کر لگا دیں اور کہیں کہ

یہی معنی مربوط ہیں بلکہ مقصود قائل یہی ہے مگر سخن شناس جانتا ہے
کہ عقیدہ تمندی اور چیز ہے اور تحقیق اور چیز ہے۔

ملنے وشت خرامیہ لیلیٰ کو ہے خانہ مجنون صحر اگر بے دروازہ تھا

ملنے وشت خرامی ہامی لیلیٰ نیت کس خانہ مجنون صحر اگر بے دروازہ بود
شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا مگر وشت خرامی اہل لسان کی ترکیب
نہیں ہے اور نہ یہ لفظ اہل لسان کے کلام میں آیا ہے۔

پوچھتے رسوائی انداز استغنا حسیں دست مرہون خسار رہن غازہ تھا

انداز استغنا حسیں = یعنی طریقہ بے پروائی حسن حسن جمال کی بے پروائی
کا طریقہ۔ شریعہ رسوائی انداز استغنا حسیں دست
مرہون خسار رہن غازہ بود شعر تھوڑے سے تبدیل میں فارسی
ہو گیا۔ عاشق اگر بوسہ لیتا ہے تو بدنام اور رسوا ہوتا ہے کہ حسن معشوق
کو بگاڑ دیا۔ خا اور غازہ موجب استغنا و بے پروائی حسن ہوتی ہیں
جب کسی نے ان کو بگاڑ دیا تو ضرور بگاڑنے والے کی رسوائی ہوگی یعنی
بے پروائی حسن کا یہ طریقہ ہے کہ عاشقوں کو بدنام کرتا ہے رسوائی
منسوب بہ عاشق ہے نہ حسن کیونکہ عاشق لوگ رسوا ہوا کرتے ہیں۔

نالہ دل نے دے اور قنحت دل بادیادگار نالہ اک یوان شیر ہوتا

نالہ دل دادہ است وراقِ لختِ دل بیاو - یادگارِ نالہ یکِ یلان بے شیرازہ
 بود - شعرِ ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا - میرزا صاحب پر فارسی بہت
 غالب ہے -

حضرت ناصح گروین بدو دل فرسراہ کوئی مجبوریہ مجہاد کہ سمجھائی گئی کیا

یعنی ہم اپنے کرتب اور اپنی عشق و عاشقی سے باز نہ آئیے اور اپنے کاموں
 ترک نہ کریں گے لہذا حضرت ناصح کی فہمائش اور تفہیم بجا اور غیر مفید ہے
 اور اُن کی فہمائش کچھ موثر نہ ہو گی - یہہ زندانہ شعر ہے اور مضمون یہہ
 کہ ہم ناصح کی نصیحت کو نہیں سنتے -

ترے وعدہ جبرؤ ہم تو یحان چو جانانا کہ خوشی سے مر جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی ایجان تیرے وعدہ پر ہم جے تو وعدہ مذکور کو جھوٹ جان کر جے - اگر
 وعدہ مذکور کا ہم کو اعتبار ہوتا تو ہرگز ہم نہ جیتے - مصراع ثانی میں کیا حرف
 استفہام محذوف ہے یعنی کیا خوشی سے مر جاتے - یہہ استفہام تازی
 ہے اور اوس کے معنی یہہ ہیں کہ خوشی سے مر جاتے اور شادی مرگ ہو جاتے
 جانانا - یعنی ایجان اور یہہ الف ندائیہ ہے یہہ کامثار الیہ وعدہ
 دوسرے معنی یہہ ہیں کہ یہہ کامثار الیہ سالم جملہ ہے یعنی ترے وعدہ پر
 جے ہم سالم جملہ شارا الیہ ہے - اور جان امر کا صیغہ ہے جاننے سے
 جان جھوٹ یعنی سچ ماننا اور جھوٹ جاننا -

ہوس کی بے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنے کا تو جینے کا مزا کیا

یعنی ہوس جو عشق کی ضد ہے اُسکو معشوق کی محبت میں نشاط کار در خوشی و مسرت بہت کچھ حاصل ہے مگر یہ جانتے ہی نہیں کہ عشق و عاشقی مرنے اور جان دینے کو کہتے ہیں اور عشق و عاشقی کا انجام ہلاکت ہے۔ ہم معشوق پر فدا ہو جائیں تو اُسوقت ہم نے جینے کا مزہ حاصل کیا ورنہ یوں سمجھئے کہ زندگی بے لطف گزری معشوق پر فدا ہو جانا گویا زندگی کا لطف اٹھانا ہی اگر باری پر فدا نہ ہوے تو جینے کا مزہ حاصل نہ کیا۔ ہوس کو چاہئے کہ اول اس مشکل کو سمجھ لے اور پھر نشاط کار میں مصروف ہو ہلاکت کو معلوم کرنے سے پیشتر نشاط کرنا بے فائدہ ہے بلکہ وہ جسکو نشاط سمجھے ہی ہے حقیقت وہ نشاط ہی نہیں ہے۔ شاعروں نے اپنی اصطلاح میں رقیب کی محبت کو طعن و طنز کی راہ سے ہوس قرار دیا ہے اور دراصل عشق کی ضد ہوس ہے۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا کہان تک اے سیرا پا ناز کیا کیا

تجاہل پیشگی = تجاہل پیشہ ہونا۔ تجاہل پیشہ بننا۔ تجاہل پیشگی کی باری تخیالی جو اس لفظ کے آخر میں ہے باری مصدری ہے سیرا پا ناز = سر سے پاؤں تک ناز۔ یعنی ایسا معشوق جو سر سے لیکر پاؤں تک ناز ہی ناز ہی سیرا پا کا الف الف الحصار ہے بمعنی تالی انتہائی اور سیرا پا ناز معشوق کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

نوازش ہے بیجا دیکھتا ہوں	شکایتیں رنگین کا گلا کیا
--------------------------	--------------------------

یعنی چونکہ آپ غیروں کے ساتھ بیجا نوازشیں کرتے ہیں لہذا میں آپ کی شکایتیں کرتا ہوں پس آپ میری شکایتوں کا گلہ نہ کیجئے کیونکہ آپ خود بانی مبنی ہیں اگر آپ غیروں کے ساتھ بیجا نوازشیں کرتے تو میں بھی آپ کی شکایتیں نہ کرتا

نگاہ ہے محابا چاہتا ہوں	تغافل ہاں سے تمکین آزا کیا
-------------------------	----------------------------

یعنی میں تغافل ہاں سے تمکین آزا نہیں چاہتا بلکہ نگاہ ہے محابا چاہتا ہوں۔

فروع شعلہ خس اک نفس ہے	ہوس کو پاس ناموس و فاکیا
------------------------	--------------------------

اک نفس = ایک دم - ذرا سا وقت فروع = روشنی خس = گہانہ پاس = لحاظ - ناموس = شرم و حیا - ہوس = عشق کی ضد ہے۔

دماغ عطر پیرا بن نہیں ہے	غم آوارگی ہائے صبا کیا
--------------------------	------------------------

لفظ پیرا بن اس شعر میں اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ صنعت تلخیص استعمال کی ہے اور قصہ یوسف علیہ السلام متعلق پیرا بن کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ ہم کو اپنے معشوق کے عطر پیرا بن کا دماغ نہیں ہے یعنی ہم بہت نازک دماغ ہیں عطر کے سونگھنے سے نزلہ کی طرح بھج جاتی ہے۔

دل ہر قطرہ ہے سازا نا بحر ہم اوسکے مین ہمارا پوچھنا کیا

یعنی ہم بھی دریا مین یا یون کہئے کہ ہم بھی انا الحق کے مقام مین مین -
یہ علم تصوف کا بہت مشہور اور بہت روزدار ہوا مضمون ہے -

سن عازر گر جنس و فاسق شکست قیمت دل کی صد کیا

شکست قیمت یعنی قیمت کا گھٹ جانا اور قیمت کی کمی - یہ بات ظاہر ہے
کہ شکست قیمت کی کوئی صدا نہیں ہوتی - اگر شیشہ یا اور کوئی شے مثل
اوسکے پتھر یا زمین پر پھینک دیا جائے یا ٹپک بجائے تو وہ ضرور آواز
دیگی مگر شکست قیمت اوس کے برخلاف ہے یعنی بے صدا ہے - اب
شاعر کہتا ہے کہ اے معشوق قیمت دل جو بے صدا ہے اُسکو توڑ کیونکہ
اُسکے توڑنے مین کوئی لطف نہیں اور اُسکی شکست سے سامعہ نوازی نہیں
ہوتی - حاصل یہ کہ قیمت دل ایک حقیر شے ہے - شکست کے قابل نہیں
قیمت دل کو توڑا تو کیا توڑا - مولانا ذوق رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں کسی بیکس کو اے بیدار گراما تو کیا مارا
جو آپ بھی مر رہا ہو اُسکو گراما تو کیا مارا چسپن - یہ تکرار
تاکید کے لئے ہے -

کیا کس نے جگر دار مکی دعویٰ شکست خاطر عشق بہلا کیا

جگر داری = بہادری و شجاعت - شکیب = صبر - خاطر = دل -
بھلا = حرف ایجاب ہے اور فارسی میں اسکا ترجمہ خیر ہوتا ہے -

سب کو مقبول ہر دعویٰ تری کیاں کا | رو بر کوئی بت آئینہ سیما نہوا

سیما = پشانی کو کہتے ہیں جسکی پشانی صاف اور شفاف ہو اسکو آئینہ
سیما کہیں گے - آئینہ سیما یعنی پشانی آئینہ دارندہ یعنی صاف شفاف
پشانی والا لکڑیہ لفظ خاصکر معشوق کی صفت میں مستعمل ہوتا ہے
بلکہ معشوق کے ناموں سے ایک نام ہے - بت آئینہ سیما منادی ہے
یعنی اسے بت آئینہ سیما کوئی تیرا مقابل نہوا حسن و جمال میں - یہ بھی سنا ہے
کہ اسے معشوق کوئی بت آئینہ سیما تیرے مقابل نہوا - دو پہلو میں اور یہ
دو پہلو کوئی کو ملا کر اور علیحدہ پڑھنے سے پیدا ہوتے ہیں - کوئی کو ملا کر
پڑھیں تو معشوق مخاطب ہوگا اور کوئی بت آئینہ سیما مبتدا ہوگا اور جو کوئی کو
علیحدہ پڑھیں تو بت آئینہ سیما مخاطب ہوگا اور صرف کوئی مبتدا ہوگا - صورت
ثانی میں کوئی کے معنی کوئی حسین اور کوئی معشوق کے ہون گے - بت =
موصوف و معروف یہاں مجازی معنی یعنی معشوق مراد ہیں -

کم نہین نازش ہنما می چشم خوبان | تر بیمار بر کیا ہے گرا چہا نہوا

یعنی یہ نازش کچھ کم نہین ہے کہ ہم بھی چشم بیمار کے ہنما میں سبب
بیماری عشق کے نازش = ناز کرنا - یہ حاصل بالمصدر ہے نازیدن کا

حسینوں کے آنکھ کی صفت بیمار آتی ہے اور معشوقوں کی آنکھ کو چشم بیمار کہتے ہیں جب ہم تیرے عشق میں بیمار ہو گئے تو لفظ بیمار ہمارے نام پر بھی عائد ہوا اور بسبب بیماری عشق کے ہم کو بھی لوگ بیمار کہنے لگے اور بیمار کہنے لگے ظاہر ہے کہ جو بیمار ہو گا اُس کو بیمار کہیں گے۔ یہاں سے شاعر نے یہ شاعرانہ مضمون نکالا کہ ہم بھی بسبب بیماری عشق کے چشم خم بان کے ہنمام میں یعنی لوگ ہم کو بھی فلان معشوق کے عشق کا بیمار کہتے ہیں جیسے معشوق کی آنکھوں کو بیمار کہا کرتے ہیں لہذا ہم اس بات پر نازش اور فخر کرتے ہیں کہ ہم چشم خم بان کے ہنمام میں اور اسی واسطے تندرست ہونا نہیں چاہتے بلکہ یہ خواہش ہے کہ ہمیشہ بیمار ہی رہیں تاکہ ہنمامی اور پھر اُس پر فخر حاصل رہے یہاں یہ بات جو نازک خیالی کے متعلق ہے جانتی ضرور ہے کہ ہنمامی پر فخر ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ اچھے اور عمدہ نام اور بزرگوں کے نام رکھا کرتے ہیں اور شریعت میں بھی یہ حکم آیا ہے کہ اولاد کے اچھے نام رکھا کرو تاکہ بُرے ناموں سے اُن کو رنج اور اذیت نہ پہنچے۔

اسد ہم و جنوں گداز بے واپسین	کہ ہر سہ پہر تھرگان آب و پشت خارا پنا
------------------------------	---------------------------------------

جنون جولان = یعنی جولان جنون دارندہ۔ جنون کا جولان رکھنے والا جولان کے معنی دوڑنے اور دوڑانے کے ہیں۔ جنون جولان کے معنی بہت دوڑنے والے کے ہیں مگر یہ ترکیب اہل لسان کی نہیں ہے بلکہ

ہندیوں اور خیال بندوں کی ساختہ و پرداختہ ہے۔ اہل سان کے کلام میں یہ ترکیب نہیں آئی لہذا اسکی صحت میں تاہل اور شبہ ہے۔ سہر خجہ = یہاں اس لفظ میں سر زائد ہے۔

پے نظر کرم تحفہ شرم پارسانی کا | بنجون غلطیہ ضد دعوی پارسانی کا

یعنی سوزنگ سے خون میں لوٹا ہوا پارسانی کا دعوی بخشش آہی کی نذر کیواسطے خجالت نامی کا ہدیہ ہے۔ و توقع صراحت میں جو پریشان عبات ہے میں نے اسکو اسطرح ترتیب پایا ہے درحقیقت میری رائے میں و توقع صراحت ایسی کتاب ہے کہ اس کے نکات اور دقائق سے طالبان شعور سخن فیض یاب و خوشہ چین ہو سکتے ہیں۔ مقصود قائل یہ ہے کہ ہم شرم و حیا کی وجہ سے پارسانی کا دعوی نہیں کرتے۔ گویا پارسانی کا دعوی کرنا بے شرمی ہے۔ دعوی پارسانی کا سوزنگ سے خون میں لوٹا ہوا ہے یعنی ہم دعوی پارسانی کا نہیں کرتے کیونکہ ہمارا پارسانی کا دعوی شہید ہو گیا اور باقی نہیں رہا اور دعوی باقی نہیں رہنے کی وجہ شرم پارسانی ہے حاصل یہ کہ بے شرم و خجالت کے ہم دعوی پارسانی کا نہیں کرتے۔ اس شعر میں فارسیت بہت غالب ہے اور خاص منہ زبید کی طرز کا شعر ہے میرزا صاحب نے بیدل کا اس قدر تتبع کیا ہے کہ دونوں کے کلام میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ درحقیقت تتبع اسکو کہتے ہیں۔

نہو جس تماشا دوستیو ایوانی کا | بہر صد نظر ثابت ہے دعوی پارسانی کا

یعنے معشوق ہمارا پاکدامن ہے مگر اُس میں عیب ہے تو صرف اس قدر کہ بیوقوف
اور اسی وجہ سے یعنے بیوفائی سے رسوا ہو گیا ہے مگر اُسکی پاکدامنی میں
کوئی شبہ نہیں ہے۔ چشم کی تشبیہ مہر کے ساتھ دی جاتی ہے اور یہاں
قاعدہ مجاز مرسل کے لحاظ سے نظر بمعنی چشم شعل ہوا ہے۔

زکات حسن و اہل جلوبہ نیش کہ مہر سا چراغ خانہ دریش ہو کا گدائی کا

کا سہ گدائی سے مراد چشم ہے کیونکہ آنکھ کی تشبیہ کا سہ گدائی کے ساتھ
دی جاتی ہے اور وجہ شبہ یہ ہے کہ آنکھ میں عمق ہوتا ہے اور اکثر آنکھ
بادامی شکل کی ہوتی ہے اور کا سہ گدائی میں بھی عمق ہوتا ہے اور اکثر
کا سہ گدائی بھی تراش و خراش میں بادام کا ہمشکل ہوتا ہے۔ زکات حسن و
جلوبہ نیش بھی اس معنی کے مدد و معاون ہیں کہ کا سہ گدائی بمعنی دیدہ و چشم
آیا ہے بلکہ کا سہ گدائی کے مجازی معنی یہی آنکھ کے ہیں ان قرائن کی
بھی کوئی ضرورت نہیں۔ خانہ و دریش سے مراد قابل کا نثر اور ہم
ہے۔ جلوبہ نیش سے مراد معشوق ہے شعر کے معنی یہ ہیں کہ اسے
معشوق تو اپنا حسن و جمال بکھود کھا دے تاکہ ہماری آنکھیں روشن اور
منور ہو جائیں آفتاب کی طرح مہر آسا۔ آفتاب کی طرح مہر آسا مصرع ثانی کے
متعلق ہے جو مصرع اول میں آگیا ہے۔ چراغ ہونا = اس شعر میں اس کے
مجازی معنی روشن ہونیکے ہیں۔ مصرع ثانی کے یہ معنی ہیں کہ ہماری
آنکھ روشن ہو جائے۔

گرنگاہ گرم فرماتی رہے تعلیم	شعلہ خشن جیسے نرین نہا ہو بیگا
-----------------------------	--------------------------------

نگاہ گرم = چشم گرم کا مترادف ہے اور چشم گرم محبت و عنایت و مہربانی کو کہتے ہیں مگر چشم گرم یا نگاہ گرم قہر اور غضب کے معنوں پر بھی آسکتا ہے۔ کیونکہ لفظ گرم بمعنی اختلاط اور بمعنی غضب دونوں معنوں میں آیا ہے۔ چنانچہ سلیم کا شعر ہے ۵ عمر خود رفت وہاں بیگانہ باما مگر در قیامت گرم خواہی شد مبتا چون آفتاب یعنی اسے معشوق شاید تو قیامت کے دن ہمارے ساتھ اختلاط اور گرمخوشتی اور محبت کریگا۔ تیرا گناہ پن ہمارے ساتھ شاید قیامت کے روز ہوگا۔ یہ شعر سلیم کے معنی میں نہ شعر غالب کے۔

در دست کشد و انہوا	مین نہ اچھا ہوا برا نہوا
--------------------	--------------------------

مین نہ اچھا ہوا = یعنی مین اچھا نہوا۔ برا نہوا = یہ برا نہوا۔ یہ محذوف ہے میرا چھا نہوا یعنی میرا تندرست نہونا اور صحت نہانا برا نہوا مین جو بیمار اور علیل رہا یہ اچھا ہوا۔ کیونکہ تندرست ہوتا تو دو کی منت اٹھانی پڑتی۔ حاصل یہ کہ کسی کا احسان اٹھانا بُری بات ہے۔ احسان نہ اٹھانا چاہیے۔ حضرت قبلہ گاہی مولانا مولوی والہ مرحوم و مغفور اس شعر کی مختصر شرح جو توقع صراحت میں مندرج نہی تھی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ (کیونکہ ممنون دوا ہونا اور احسان دوا کا اٹھانا بہت برا تھا)

جمع کرتے ہو کیوں قیون کو اک تماشا ہوا گلانا ہوا

گویا مرزا صاحب اپنی بدنامی و رسوائی سے ڈرتے ہیں اور اس کو قیون کا اجماع نہیں چاہتے۔ گلہ۔ شکوہ۔

ہم کہاں قسم آزمائے جائیں تو ہی جہنم آزمائے نہوا

خجر آزمانا = کنایہ سے قتل کرنے سے۔ قسمت آزمائی اس طرح سے کہ کسی معشوق کے ہاتھ سے قتل ہو جائیں تاکہ آزار عشق سے نجات ملے اور درجہ شہادت حاصل ہو مگر قاتل کی بدبختی اس قدر بڑھ ہی ہوئی ہے کہ کوئی قاتل ہی نہیں ملتا۔ یہ شاعرانہ مضمون ہے نہ کہ حقیقت حال۔ ہی = حصر کے لئے آتا ہے

ہے خبر گرم ان کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہوا

مرزا اس شعر میں اپنا دکھڑا روتے ہیں اور اپنی محتاجی و مفلسی ظاہر کرتے ہیں اس شعر کا پیرایہ قابل تعریف ہے۔ کسی صاحب نے اس شعر کے باب میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ گھر میں بوریا نہوا تو کیا ہرج ہے۔ کریوں پر بیٹھیں گے میں نے یہ جواب دیا کہ سبب محتاجی و مفلسی کے بوریا جو ارزان چیز ہے نہیں لے سکتے ہیں اور مٹی پر بیٹھنا پڑے تو کریاں جو بہ نسبت بوریا کے بہتر ہیں ان قیمت ہوتے ہیں کہاں سے آئیں گے۔

سے کی سی۔ دی ہوئی ایسی تھی حق تو یوں ہے، کہ حق ادا نہوا

یعنے اگرچہ ہم نے راہ خدا میں یا راہ معشوق میں اپنی جان دی اور مر گئے تو پہرہ کو نسا بڑا کام ہوا کیونکہ جان تو اُسی کی دی ہوئی تھی یعنی جان خدا کا یا معشوق مجازی کا مال تھا لہذا ہم نے جو جان دی تو کوئی بڑا کام نہیں کیا بلکہ ہم ادائی حق میں قاصر رہے۔ اُسی کی = یعنی خدا سے عز و جل کی یا معشوق مجازی کی۔ بہر حال دونوں پہلو میں جان دی = یعنی ہم نے جان دی یہاں ہم فاعل محذوف ہے۔ جان دینا = یعنی مرجانا۔ ہلاک ہو جانا۔ دوسرے معنے جان عطا کرنا جان بخش دینا۔ پہلے جان دینے کے معنے میں مرنا اور دوسرے جان دینے کے معنے میں جان عطا کرنا (ف) جان بخشیدن۔ اس شعر میں لطف یہ ہے کہ قائل نے ایک مصدر یعنی (جان دینا) کے دو جدا گانہ و علیہ معنے استعمال کئے ہیں۔

زخم گردب گیا لہونہ تھما	کام گزرک گیا روانہ ہوا
-------------------------	------------------------

اس شعر حضرت قبلہ گاہی مولانا والہ مرحوم و مغفور نے ایک اعتراض کیا تھا جو وثوق صراحت میں سہو ادرج نہوا۔ اعتراض یہ ہے۔ (دبے ہوئے زخم کا جیسے لہونہ تھما یعنی لہو جاری ہے اسے سطح رُکے ہوئے مطلب کا روا ہونا بھی چاہئے تھا۔ یہ خلاف کیونکر؟) میری رائے ناقص میں بیشک یہ اعتراض اس وقت قائم رہ سکتا ہے جب کہ روایہ اور نہوار دلیف مان لیجا۔

مگر جب اُسکو قافیہ معمول قرار دیا جائے اور روانہ معنی جاری اور ہوا دلیف قرار دیجائے تو اعتراض وارد نہوگا اور درحقیقت اعتراض صورت اول ہی میں ہے نہ کہ صورت ثانی میں۔ یعنی کام اگر رک گیا تو جائے کہ جاری ہو گیا۔ یہہ کمال مایوسی و ناامیدی کی بات ہے یا کمال استقلال اور ثابت قدمی کی تفسیر ہے کہ کام کے بند ہو جانے کو بھی اپنی ہمت اور استقلال کے مقابلے میں جاری ہو جانا سمجھتے ہیں۔ یہہ بات تو ظاہر ہے کہ زخم کے دب جانے سے لہو نہیں ٹھمتا اور لہو برابر جاری رہتا ہے اگر چہ زخم دب جائے مزار نے اسکو دیکھ کر یہہ مضمون کا لاکہ کام رک جائے تو یہہ سمجھنا چاہئے کہ بند ہو گیا بلکہ یوں جانے کہ جاری ہو گیا۔ فارسی میں ضرب المثل ہے مصرع صدر شود کشاہ چوبہ تہ شود درے + اس شعر کا مضمون اس ضرب المثل کے قریب قریب واقع ہوا ہے۔ قرینہ یہہ کہ ایک جگہ کام رک گیا تو دوسری جگہ جاری ہو جائیگا۔

رہزنی ہے کہ دستانی ہی | یکے دانستان روانہ ہوا

قافیہ معمول سے شعر میں کیہ قدر وقت اور اشکال اور حسن پیدا ہو جاتا ہی اور قافیہ معمول جو دلچسپ اور دلکش ہو مشکل سے حاصل ہوتا ہی اسی لئے اکثر شعراے نامدار قافیہ معمول پر مرتے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مستم از بادہ شبانہ ہنوز نہ | ساقی ما ز رفت خانہ ہنوز

میکشی و بغمزہ میگوئی تو بہ کردی ز عشق یا نہ ہنوز
یا نہ = قافیہ معمول ہے اور شمس الدین فقیر ج مصنف حدائق البلاغۃ
فرماتے ہیں - رباعی -

گر شمع نہ دلجوئی پروا نہ کند بر آتش از دور پروا نہ کند
فیاد ز شمع من کہ در آتش عشق پروا نہ صفت سوخا و پروا نہ کند
پروا نہ کند = قافیہ معمول ہے اور لطف یہ کہ ایک تو پروا نہ کر دین یعنی پر نکھو لانا
پر نکھاد دین اور دوسرا پروا نہ کر دین یعنی پروا نہ کر دین یعنی بے پروائی
اور بے اعتنائی کرنا -

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں | آج غالب غزل سرا نہوا

قابل نے آپ کو شخص غیر قرار دیا ہے جیسا کہ فارسی کے شعرا کا دستور ہے
اور فرضی شخص غیر سے کہتا ہے کہ اسے صاحب آج غالب تو غزل سرا
نہوا لہذا محفل سخن بے لطف و بے رونق ہے - جہاں غالب غزل پڑھتا ہی
وہاں لطف سخن حاصل ہوتا ہے - خیر - آج آپ ہی کچھ پڑھئے کیونکہ غالب
کے بعد آپ کا نمبر ہے اور غالب کے بعد سب کو آپ کے کلام میں لطف آتا ہے
مطلب یہ کہ میں اپنے معاصرون اور ہمطرحون میں سب سے بہتر ہوں اور
اس مقطع میں معاصرون پر طعن و تعریض کیا ہے کہ وہ مجھ سے درجے میں
گہشکر ہیں - سالم غزل پڑھنے کے بعد یہ قول کہ (کچھ تو پڑھئے) کنایہ ہی
جس سے طنز و تعریض دوسرے شعرا پر مقصود ہے - غزل سرا =

غزل پڑھنے والا - غزلخوان -

گلے بہ شوق کو دین بھی تنگی جا کا گہرین محو ہوا اضطرابِ ریا کا

شاعر نے اس شعر میں شوق کو دریا سے اور دل کو گہر سے تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے کہ دریا یعنی شوق کو گہر میں یعنی دل میں محو ہو گیا - باوجود اس شوقِ تنگی جا کا گلہ مند ہے حالانکہ دل کی وسعت معلوم و مشہور ہے کہ قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ عَرْضُ اللَّهِ تَعَالَى - عرش کی وسعت تمام آسمانوں سے بڑھ کر ہے - مگر یہی گلہ باقی ہے - تو یہ غضب کا شوق ہوا - اگرچہ سچا موتی جُتہ اور مقدار میں چھوٹی چیز ہوتا ہے مگر قیمت میں گران ہوتا ہے اسی طرح دل اگرچہ بظاہر ایک ذرا سی چیز ہے مگر کمالات باطنی و روحانی کے لحاظ سے ایک بہت بڑی اور وسیع شے سمجھی جاتی ہے - اس شوق کو تمام زمین و آسمان کی گنجائش کافی و مکتفی نہو گی - قائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شوق بیکر و بے حساب ہے - اس شعر میں اپنے شوق کی وسعت و فراخی کو بیان کرتا ہے - مگر مرزا کا یہ طرزِ بیان اہل فصاحت کے پسند نہیں ہو سکتا - دوسرے معنی اس طرح ہو سکتے ہیں کہ پہلا مصرع سالم استفہامِ انکاری مان لیا جائے یعنی شوق کو دین بھی تنگی جا کا گلہ نہیں ہے کیونکہ دل بحیثیت جُتہ ایک چھوٹی سی چیز اور گہر سے مشابہ ہے ج طرح دریا کا اضطراب گہر میں نہیں ہوتا اسی طرح شوق کا گلہ دل میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے شوقِ دین فنا ہو گیا - اضطراب دریا تلاطم و امواج سے

مراد ہے۔ مگر ان معنوں کو (بھی) کا لفظ مانع و مزاحم ہے۔ یا (بھی) کو
 حشو سمجھ لیجئے کہ وزن کے لئے آگیا ہے اور معنا کوئی تعلق نہیں رکھتا مگر
 اس صورت میں حشو قبیح ہو گا جو عیب ہے۔ محو ہونا = فنا ہونا۔

یہ جانتا ہوں کہ تو اوپاسخ مکتوب | مگرستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا

یعنی ذوق خامہ فرسا کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہوں اگرچہ جواب
 نہ آئے۔ ذوق خامہ فرسا وہ ذوق ہے جو خامہ فرسائی کرے اور کچھ
 نہ کچھ لکھو اسے۔ ذوق موصوف اور خامہ فرسا اسکی صفت ہے۔ خامہ
 فرسا اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی فرسا نیدہ خامہ۔ قلم گھسانو والا۔ ظاہر ہے
 کہ لکھنے سے قلم گھس جاتا اور فرسودہ ہو جاتا ہے۔ اور استبعاد
 کیلئے ہے یعنی یہ بات بعید ہے کہ تو پاسخ مکتوب لکھے۔

غم فراق میں تکلیف سیر نغ ندو | مجھے دماغ نہیں خندہ مانے جا کا

مجھے دماغ نہیں = یہ فارسی محاورے یعنی (دماغ ندارم) کا ترجمہ ہے
 دماغ ندارم یعنی مجھ کو قوت شائے صحیحہ نہیں ہے

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں | کرے ہر ہرن کو چشم بنیا کا

یعنی ہر آنکہ ہرن کو چشم بنیا کا کام کرتا ہے مگر تاہم محرمی جمال حقیقی یا
 مجازی سے محروم ہوں یعنی دیدار میسر نہیں۔ محرمی = نزدیکی و انفکاری

کو = بمعنی برائے۔ کیلئے۔ ترسنا = کسی چیز کے لئے حد سے زیادہ
خوشکامی کرنا۔ خواہشمند ہونا۔ کرے ہے اب متروک ہے اسکی جگہ
میں کرتا ہے کہیں گے

دل سکوپیلے ہی ناز و اداسے بیٹھے | ہمیں دماغ کہاں جس کے تقاضا کا

تقاضا اسم غیر سالم ہے مگر مرزا نے اسے سالم باندھا ہے۔ حسن کے تقاضے
کا چاہتے تھے۔ ہمیں دماغ کہاں یعنی ہمیں دماغ نہیں ہے۔

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت لے | مری نگاہ میں ہی جمع و خرج و پراکا

یعنی گریہ بمقدار دریا کے ہے۔ گریہ میں مبالغہ کیا ہے۔
بمقدار = اسمین باموافقت کیلئے ہے یعنی موافق مقدار۔ مطلب یہ کہ
گریہ حسرت دل سے بڑھ کر ہے اور گریہ کی مقدار بقدر دریا کے ہے
نہ بقدر حسرت دل کے۔ کیونکہ دل چھوٹی چیز ہے اور دریا تمام دنیا کو
گہرا ہوا ہے۔

قطرہ می بسکہ حیرت سے نفس سر ہوا | خط جامی سر سر شرتہ گوہر ہوا

یعنی معشوق نے جام شراب جیسا پئے منہ سے لگا یا تو اس کے حسن سے
شراب کو اسقدر حیرت ہوئی کہ ہر ایک قطرہ شراب ایک ایک گوہر بن گیا۔
گوہر کیلئے رشتہ چاہتے تھے تھا۔ شاعر نے خط جام کو رشتہ قرار دیا ہے

یہ شعر نہایت لطیف و مشکل و زنازک خیالی کا عمدہ نمونہ ہے۔
 حیرت سے اشیای سیال کا منجمد ہو جانا اور چیز ہائے روان کی رزق باری
 بند ہو جانا ایک ایسا مضمون ہے جسکو شعرا نے نازک خیال نے کئی طرح
 اور کثرت سے باندھا ہے۔ نفس پرور = یعنی روح پرور۔ جان پرور
 اس شعر میں ہر امر کا لفظ حشو اور زائد ہے۔ حیرت سے یعنی حن و جمال
 معشوق کی حیرت سے یا لب معشوق کی حیرت سے بہر حال دونوں معنی
 مربوط ہیں۔

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا	غیر نے کی لیکن خفا مجہ پر ہوا
---------------------------------	-------------------------------

غیر نے الخ یعنی معشوق نے سمجھا کہ میں نے آہ کی لہذا مجہ پر خفا ہوا حالانکہ
 آہ غیر نے کی ہے مگر چونکہ عاشقی میں میرا اعتبار ہو گیا ہے لہذا غیر کی آہ
 کو میری آہ تصور کرتا ہے۔

جب تقرب سیرازے محل باندھا	پیش شوق نے فرہ پہ اک دل باندھا
---------------------------	--------------------------------

یعنی پیش شوق نے جدائی کے خیال سے دلکو بید پریشان کر دیا۔ دروں کے
 دل باندھنا کنا یہ ہے دل کے پریشان ہونے سے محمل =
 ہودج۔ محمل باندھنا = محمل بستن کا ترجمہ ہے۔ لفظ محمل نہ کر ہے

ابن ہش نے بھرت کردہ شوخی ناز	جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
------------------------------	---------------------------------

یعنی شوخی نے حیرت کو مبدل باضطراب کر دیا۔ حالانکہ حیرت غیر متحرک
شے ہے۔

یاس و امید کے عرصہ میں اباننگا | عجز نہایت طلسم اس بل باندھا

سوال کر نیوالے کو دو کلمات ہیں یعنی یاس و امید ہوتی ہیں یعنی یہ یاسی ہی
ہوتی ہے کہ میرا سوال رد ہو جائیگا اور یہ امید بھی ہوتی ہے کہ میرا سوال
قبول ہو جائیگا۔ سوال کر نیوالے کو ہرگز اس بات کا یقین نہ کرنا چاہئے
کہ میرا سوال بالضرور قبول ہو جائیگا یا رد ہو جائیگا کیونکہ رد و قبول
دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور سائل کا کام صرف سوال کرنے کا ہے
اس شعر میں یک عرصہ میدان کی ترکیب محل تامل ہے کیونکہ یہ فارسی
کے اہل لسان کی ترکیب نہیں ہے۔ یہ شعر بے معنی معلوم ہوتا ہے
یون شارحین جو معنی چاہیں لگا دیں مگر مضمون خیر شعر نہیں ہے۔

در ماندگی میں غالب چہ بن تو جا | جب تیرے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اب رشتہ میں گرہ پڑ گئے ہیں مگر ناخن گرہ
کشا نہیں ہے اور ناخن گرہ کشا اُس زمانہ میں تھا جبکہ رشتہ بے گرہ تھا۔
در ماندگی = عاجزی - ناچاری -

بعد یک سرعہ باتو تیا بار | کاش رضوان ہی سایہ کا دریاں بہتا

ایک عمر درع = یعنی درِ یک عمر - مقلوبُ التَّکْرِیب ہے - عمر کو بغیر اضافت کے پڑھنا چاہئے - ایک عمر درع یعنی ایک مدت کا زہد و تقویٰ - فصحا اس طرح کہین گے کہ زہد بسیار یا زہد شاق - مزانے مزرا بیدل و زنا صر علی کی تقلید سے ایک عمر درع کہا ہے - یہ ترکیب اور ایسے تراکیب اہل لسان کے پاس محض لغو اور تکلف لا طایل مانے جاتے ہیں - مزرا بیدل اور شیخ ناصر علی اور مزرا غالب ایک وضع کے تین سواریں جو اپنی چال میں برابر چلے جاتے ہیں - ورسع = بفتحین زہد و پرہیزگاری - باز دینا = یعنی آمد و رفت کی اجازت دینا - باسے = کلمہ ایجاب ہے -

عسے کیونے تو غم کیا کے کئے کا نہ ہو کر جد اس سے تو زانو پر ہر ہوتا

یہ کلام سر کئے سے پہلے کا ہے یعنی شاعر کا یہ کلام بالفعل نہیں ہے بلکہ بالقوہ ہے -

ہوئی تد کر عالم گیا پڑ آتا ہے وہ ہر کیا بات پر کہنا یوں کہ ہوتا تو کیا ہوتا

(کیا) تعظیم کی واسطے ہے یعنی غالب نے مرگیا کر زمین اسکی آرزو میں اور نہا میں یاد آتی ہیں کہ وہ ہر ایک بات پر کہا کرتا تھا کہ ایا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا یعنی سرکار انگریزی کی طرف سے پنشن جاری ہو جاتی یا بادشاہ دہلی کے پاس سے سہرہ کا صلہ ملتا یا کلکتہ میں اوستادی کا سکہ بیٹھ جاتا الغرض اب اسکی خواہشات یاد آتے ہیں اور افسوس ہوتا ہے - قائل نے یہاں اپنے کو

شخص غیر قرار دیا ہے۔ اور یہ فارسی وارد و مین درستی۔ قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کے دوست اور احباب اُسکی نیکیاں اور نیک خواہشات اور اچھی باتیں یاد کر کے افسوس کرتے ہیں اور اُسے اونکا منشا یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس میت کا مرتبہ بلند کرے اور دنیا میں جو محرومی ہوئی ہے اسکا بدلہ آخرت میں ملے

ایک فرہ زمین بہنیں بیکار باغ کا | یان جاوہ بھی قتیلہ والا کرداغ کا

اس شعر کو، بشکلِ بامعنی کہہ سکتے ہیں۔ یہاں مصنف کا طائر خیال اس قدر بلند ہوا ہے کہ نظروں سے غائب ہو گیا ہے گویا معدوم و فنا ہو گیا ہے بہر حال نہایت خوض و غور کے بعد یہ معنی میرے ذہن میں آتے ہیں کہ شاید اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی کا مضمون لکھا ہے یعنی اہل دنیا کی عبرت پذیری اور نصیحت یابی کے لئے باغ کی زمین کا ایک ذرہ بیکار نہیں ہے باغ میں جو راستہ ہے چسپ لوگ خوشی خوشی سے باغ کی سیر کے مزے اُڑاتے ہوئے چلتے پھرتے ہیں اگر غور کیجئے تو یہ جادہ داغ لالہ کا فتیلہ ہے یعنی یہ جادہ اس بات کو روشن کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ دنیا عیش و عشرت کی جگہ نہیں ہے بلکہ عشرت پرستی دنیا کا حاصل داغ ہے اور داغ ہی خاص لالہ کا داغ جو کبھی متقطع اور علیحدہ ہو نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ داغ لالہ ہمیشہ لالہ کے ساتھ ہی رہتا ہے اور لالہ حالانکہ باغ میں ہے مگر داغ دار ہے اور یہ طرفہ ماجرا ہے کہ خوشی شب و روز باغ میں جو عیش

وعشرت کی جگہ ہے رہے اور پہرہ و خدایہی ہو۔ آخر اس واعداری کی کوئی وجہ خاص ہوگی۔ فقیلہ روشنی کے لئے ہوتا ہے اور فقیلہ سے تاریکی دور ہوتی ہے اور وہ تاریکی میں اشیا کو دکھاتا ہے۔ یہاں فقیلہ سے مراد فقیلہ روشن ہے نہ کہ فقیلہ خاموش۔ مطلب یہ کہ دنیا بے ثبات ہے اور عیش و عشرت کی جگہ نہیں۔ دیکھو لالہ جو باغ میں ہے وہ خود واعدار ہے اور باغ کا جادہ اس بات کو دکھانے کیلئے اہل نظر کی آنکھوں میں فقیلہ روشن کا کام دے رہا ہے۔ جادہ کو فقیلہ کے ساتھ شبیہ دی ہے اور وجہ شبہ درازی ہے جو جادہ اور فقیلہ دونوں میں مشترک ہے۔ یہ شعر کوہ کندن و کاہ بر آوردن کا مصداق ہے۔

بے موکے قہر آشوب گہی | کینچا ہے عجز جو صلہ خط ایام کا

آگہی = ہوشیاری۔ یعنی بغیر شراب کے آشوب ہوشیاری کی طاقت کسی کو نہیں ہے مطلب یہ کہ ہم کو بغیر شراب کے ہوشیاری حاصل نہیں ہوتی جب ہم شراب پیتے ہیں تب کام کر نیکی یا شعر کہنے کی قوت اور طاقت ہم کو حاصل ہوتی ہے مسعود سعد شراب کی تعریف میں فرماتے ہیں **ع** بخواہ آن طبع را قوت بخواہ آن کام را لذت بخواہ آن چشم را لالہ بخواہ آن مغر را عنبر و شراب کا مقوی طبع ہونا اس شعر سے ثابت ہے۔ چونکہ آزاد منش اور بے پروا لوگ ہوشیاری کو بری چیز جانتے ہیں لہذا شہواری کو آشوب کہا ہے۔ آشوب یعنی فتنہ و فساد و ہنگامہ۔ کینچا ہے عجز

حوصلہ نے خطایانہ کا یعنی شراب نہونے سے حوصلہ عاجز ہو گیا ہے ۔

بلبل کے کاروبار پہن خندہ کا گل ۱۰۵
کتبہ میں جسکو عشق خلل دماغ کا

بلبل کے کاروبار پہن خندہ ہائے گل = یہ مصرع رد الف لام میں بھی آیا ہے
اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ بلبل کی عشق بازی اور نو سازی پر گل نسبت میں اور
بلبل اس بات کو سمجھتا ہی نہیں اور اپنے کاروبار سے جو عاشقی و نغمہ گری
باز نہیں آتا تو اس کے عدم فہم کی وجہ سے یہ ثابت ہوا کہ بلبل عاشق فراج کا
دماغ صحیح نہیں ہے اور عشق و عاشقی خلل دماغی کا نام ہے ۔ کیونکہ ہوا
ہوتا تو اپنی تضحیک اور ہنسائی کو پسند کرتا اور ترک عاشقی کرتا ۔ اس شعر میں
یہ بات بیان کی ہے کہ عشق بری چیز ہے اور برخلاف اہل عرفان کے
عشق کی مذمت کی ہے ۔ میر نے اور ایک جگہ عشق کی توہین کی ہے ۱۰۶
عشق نے غالب نکما کر دیا ۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے کتاب
سلم الادب میں لکھتے ہیں کہ فیثاغورس حکیم نے عشق کی تعریف میں کہا
عشق خاصیت طبعی ہے کہ دل میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ حرکت کرتی ہے
اور بڑھتی ہے اور پھر پرورش پاتی ہے ۔ اور حرص کے بہت سے مادے
اس کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں اور جتنی زور پراتی ہے ۔ اسی ہی صاحب
عشق کی گھبراہٹ اور بے سنگی ۔ دراز نفسی طبع کی آرزوؤں کا سوچ جستجو کی
حرص طول کہنچتی ہے یہاں تک کہ غم یا اضطراب تک نوبت پہنچ جاتی ہے
خون بدن میں اسوقت جل جاتا ہے اور مادہ صفراوی بھڑک کر سودا

تبدیل ہو جاتا ہے۔ سودا کی طبیعت میں فساد فکر داخل ہے اور فساد فکر کے ساتھ ہی زوال عقل ہوتا ہے۔ اور ناممکن بات کی امید۔ آرزو بے انتہا۔ یہاں تک کہ یہ جنون کو نوبت پہنچا دیتی ہے۔ اکثر ایسے قوت میں عاشق نے اپنے تئیں مار ڈالا ہے۔ اکثر غم کے مارے مر گیا ہے۔ اکثر معشوق کی طرف دیکھا اور شادی مرگ ہو گیا۔ اکثر ایک ٹھنڈی سانس لیا ہے اور دم گھٹ کر رہ گیا ہے۔ ۲۴ گھنٹے تک اس طرح رہا ہے کہ لوگ جانتے ہیں مر گیا۔ اُسے دفن کر دیتے ہیں مگر وہ زندہ ہوتا ہے اکثر اوپر کو سانس لیا ہے۔ دم غلاف دل میں گھٹ جاتا ہے۔ دل اُس پر جمیٹ جاتا ہے کہ پھر نہیں کہلتا یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ اور تو اُسے دیکھے گا کہ جس پر عاشق ہے جب اُسکا ذکر کیا جائے تو ہوا اُسکا ہٹ جاتا ہے۔ اور رنگ بدل جاتا ہے۔ شیخ ابن سینا کہتا ہے کہ عشق ایک وہم فارسی کا مرض ہے جیسے دیوانہ پن کہ بعض صورتوں اور عادتوں کے اچھا ہونے پر دل کو قایم کر کے انسان اس مرض کو خود اپنے اوپر لیتا ہے کہسی اس کے ساتھ ہوس جماع کی بھی ہوتی ہے اور کہسی نہیں ہوتی صحرا سے عرب کی ایک عورت نے کہا کہ عشق بھری ہوئی چیر کے ہلا دینے اور ہلی ہوئی چیر کے ٹھہرا دینے کو کہتے ہیں۔ بعض اہل ادب نے کہا ہے کہ جنون قسم قسم کا ہے۔ ایک قسم اس میں سے عشق بھی ہے قاموس میں ہے کہ عشق پیار کرنے والے کا گھنڈ کرتا ہے اپنے پیارے پر۔ یا محبت کا بید ہونا۔ پاکدامنی کے ساتھ بھی ہوتا ہے

اور ناپاکی کے ساتھ بھی۔ یا اُس کے عیوب سے عقل کا اندھا ہو جانا،
یا ایک مرضِ مہمی ہے کہ بعض صورتوں کے اچھا سمجھنے پر دل لگا کر انسان
اُس مرض کو آپ اپنے سر لیتا ہے۔ عَشَقْہُ جیسا عِلْمُہُ عَشَقْہُ بالکسر اور
بالتحریک (یعنی دلوں زبروں سے) ہے۔ مرد عاشق اور عورت عاشق
بھی اور عاشقہ بھی اور عشقہ یعنی وہ بناوٹ سے عاشق بنا۔ اور
سکینت کے وزن پر ہو تو بڑا عشق والا۔

تاریا کی قدیم ہون و چراغ کا	تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھ
-----------------------------	------------------------------

یعنی زمانہ قدیم سے دو چراغ کی تریاک کہا یا کرتا ہوں۔ یعنی رات بھر
اور تمام شب چراغ سامنے۔ رکھ کر فکر کر کے اشعار کہتا ہوں۔ دو چراغ
خوردن فارسی کا محاورہ ہے اور مرزا نے یہہ مضمون اسی محاورہ سے
اخذ کیا ہے۔ تریا کی = منسوب بہ تریاک ہے جیسے افیون کہا نیوا
کو افیونی کہتے ہیں اسی طرح تریاک کھانے والے کو (تریا کی) کہا ہے
اور اسی طرح شرابی و کبابی وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ شرابی یعنی شراب
پینے والا۔ وَفِیقْ عَلٰی کھنڈ ۲۔ افیونی و تریا کی و شرابی و کبابی کی
یا یا ای فاعلی ہے تریاک = پاؤزہر۔

بے خون دل ہی چشم میں موج نکلتا	یہ سیکہ خراب ہے مجھ کے سرخ کا
--------------------------------	-------------------------------

قائل نے خون دل کو شراب و چشم کو شراب خانہ قرار دیا ہے۔ یہاں خراب کا

لفظ ایہامی لفظ ہے کیونکہ خراب بمعنی مست و ویران آیا ہے۔ معنی دل
یعنے مست کے لحاظ سے یہ لفظ سیکدہ اور س کے ساتھ مناسبت
رکتا ہے۔ کیونکہ شرابستی اور مست کرنے والی چیز ہے۔ اور اس شعر میں
معنی ثانی یعنی ویران مراد ہے۔ غبار میں حرف با ہے لہذا بے اور
با صنعت تضاد ہے۔ حاصل شعر یہ کہ ہماری آنکھ خون دل کی تلاش
کر رہی ہے یعنی خون رونا چاہتی ہے۔

بانغ شگفتہ تیرا بسا دانشا دل	ابر بہارِ خم کہ کس کے دماغ کا
------------------------------	-------------------------------

استثنا و ثبوت صراحت کے اس شعر کے معنی کل شارحوں نے
غلط لکھے ہیں۔

وہ مرچیں جبین سے غم نہاں سمجھا	رازِ مکتوب ہے ربطی عنوان سمجھا
--------------------------------	--------------------------------

یعنے معشوق نے میرے چین جبین کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ میں غمگین ہوں۔
دوسرے مصرع میں سمجھا کی جگہ غمید لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی بن جاتا ہے۔
مصرع رازِ مکتوب بہ ربطی عنوان غمید۔ بعض کا بتوں نے یہ کہ یہ یعنی
پر کا مخفف لکھ دیا ہے جس سے دوسرا مصرع بے معنی ہو گیا تھا یہ بہ تعلیل
کے لئے یعنی بھٹی از آیا ہے۔ بہ ربطی عنوان یعنی بہ سبب ربطی عنوان
کے سمجھا کا فاعل معشوق ہے۔ غم نہاں یعنی غم دل۔

بدگمانی تو نہ چاہا اُسے سرگرمِ خرام	رخ پہ ہر قطرہ عرقِ دیدہ حیران سمجھا
-------------------------------------	-------------------------------------

معشوق کی بدگمانی نے معشوق کو سرگرم خرام نچا یا۔ یعنی معشوق جو سرگرم
 خرام نہیں ہوتا ہے اسکی وجہ کیا ہے۔ ؟ اسکا سبب یہ ہے کہ مستی اور سرگرمی
 رفتار سے چہرہ پر پسینہ آتا ہے اور پسینے کے قطرے آنکھوں سے کیے قدر
 مشابہت اور مشکلی رکھتے ہیں تو معشوق نے بوجہ بدگمانی کے اُن قطروں کو
 اپنے عاشقوں کی آنکھیں تصور کر لیں اور یہ سمجھا کہ راہ چلنے میں اپنے
 چہرے پر اپنے عاشقوں کی آنکھیں لگ جاتی ہیں لہذا سرگرم خرام نہوا۔
 ویدہ حیران = یعنی دیدہ حیران عاشق کا جو معشوق کے حسن و جمال
 و ناز و انداز کو دیکھ کر محض حیران اور مبہوت و بے حس ہو گیا ہے۔

عجز سے اپنی بہ جاناکو بد خو ہوگا	بنص خن سے پیش شعلہ سوان سمجھا
----------------------------------	-------------------------------

یعنی معشوق سرکش کے سامنے عاجزی و انکساری بیکار و فضول ہے جیسے
 فارسی کا شاعر کہتا ہے ۵ اظہار عجز پیش ستم پیشہ چارہ نیت ۶ اشک
 کباب باعث طغیان آتش است ۷ پیش پتیدان کا حاصل بالصور
 پتیدان یعنی ٹرپنا۔ لفظ پیش نبض کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ
 نبض میں ٹرپ اور حرکت ہوتی ہے شاعر کہتا ہے کہ جسطرح شعلہ حسن کو
 جلا دیتا ہے اوسیطرح معشوق افروختہ میری عاجزی سے زیادہ بد خو ہوتا ہے

سفر عشق میں کی ضعف راحت طلبی	ہر قدم سایہ کو میں اپنی شہستان سمجھا
------------------------------	--------------------------------------

مصرع از ضعف بہر جا کہ شستیم وطن شد۔ کا مضمون ہر شہستان میں راحت

راست ہوتی ہے اور سایہ کی وضع کے ساتھ شبیہ نامہ ہے کیونکہ وہ ہی
اقتادہ ہوتا ہے مغیغون کی طرح۔ اور سفرین چلنا ہوتا ہے لہذا یہ لفظ و نشر
مرتب ہوا۔

تھا گریزان قرہ یار سے دل تادم مرگ	دفع پیکان قضا استفادہ آسان سمجھا
-----------------------------------	----------------------------------

اس شعر میں پیکان قضا اور دم مرگ اور قرہ یار ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے
ساتھ لفظ زخم کمال درجہ کی مناسبت و لطافت و نزاکت رکھتا ہے
لہذا حضرت قیام گاہی مولانا والہ مرحوم و معذور کا دخل قابل
تقریب ہے۔ لفظ زخم کی مناسبت سے اس موقع پر شاعر نازک خیال
کا ذہن ہی محفوظ ہو سکتا ہے۔ دفع کا لفظ بہد اس ہے۔ اور لطف یہ
معنی میں کوئی نقصان نہیں آتا یعنی دل نے تادم مرگ یہ سمجھا کہ قرہ یار
بھاگ جاؤ گا تو زخم پیکان قضا سے محفوظ رہو گا۔ حقیقت میں حضرت
والہ مرحوم کا یہ نسخہ قابل داد و انصاف ہے نہ لائق گرفت و گیر مرزا
غالب دہلوی کوئی پیغمبر نہیں تھے جو اول سے آخر تک معصوم اور غلطی
سے محفوظ رہ سکتے۔ قرہ کی شبیہ شتر کے ساتھ دیجاتی ہے اور شتر کا
کام زخم کرنا ہے۔ مرگ بعض وقت زخم سے واقع ہوتا ہے۔ اور پیکان
کا یہ کام ہے کہ زخم کرے۔ ان وجوہات سے زخم کا لفظ مناسب ہے۔

دل یا جان کے کیوں سکون فادار	غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا
------------------------------	------------------------------------

یعنی معشوق بیوفا ہے اُسکو جو وفادار سمجھا تو یہ غلطی کی اور معشوق بیوفا کو وفادار جاننا ایسی غلطی ہے جیسے کوئی شخص نادانی سے کافر کو مسلمان سمجھے۔ اسد = منادی یعنی اے اسد۔ اُسکو = یعنی معشوق بیوفا کو پہلے مصرع کا مضمون اس طرح ہے کہ اے اسد کیون اُسکو یعنی معشوق کو وفادار سمجھ کر تو سننے اپنا دل دے دیا۔ کافر اور مسلمان صنعت تضاد ہے جسکا دوسرا نام طباق ہے۔ جان کے = یعنی سمجھ کر اور جان بمعنی روح بھی آیا ہے۔ اور یہ دوسرے معنی یعنی روح جو یہاں غیر مقصود اور نامطلوب ہیں لفظ دل کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ دل اور جان لازم و ملزوم چیزیں ہیں اور روح کا مقام دل ہے لہذا لفظ جان سے اس شعر میں ایہام التناصب پیدا ہو گئی۔ شعراء اور نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے۔

دیکھ کر غیر کو ہو کیون کلیجا ٹھنڈا	نالہ کرتا تھا واپس تاشیر بھی تھا
------------------------------------	----------------------------------

کلیجا ٹھنڈا ہونا محاورہ ہے اس کے معنی میں مراد برآنا خوش ہونا۔ آرام پانا۔

پیشہ میں عیب نہیں کہنہ فرما دو نام	ہم ہی شفتہ شیریں جو انہیں بھی تھا
------------------------------------	-----------------------------------

پیشہ = پیشہ یہی کہ فرمادے سنگ تراستی کا کیا تھا۔ کیونکہ نام رکنا = محاورہ ہے۔ اس کے معنی میں کسی کو عیب لگانا۔ بدنام کرنا۔ بُرا کہنا۔ اشتقاق سے دیوانہ۔

ہمہ نامیدی ہمہ بدگمانی	میں دل ہوں فریب خانہ و گان کا
------------------------	-------------------------------

ہمنا امید سی ہمد گمانی = یہ دونوں صفات اُس ل کے ہیں جس نے
وفا ہی بیو فایان کا فریب کہا یا ہے۔

چھوڑا نہ تخت کی طرح دست و قضا نے خورشید سنوار سکے برابر ہوا تھا

ماہ تخت = وہ چاند ہے جو حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقفع نے جادو
اور شعبدہ کے اصول پر سیما و روز و سرے اجزا سے بنایا تھا۔ وہ چاند
برابر دو مہینوں تک ہر رات کو ایک کنوین سے جو کوہ سیام کے نیچے
واقع تھا نکلتا تھا اور اُس کی روشنی بارہ میل تک جاتی تھی۔ جاننا چاہیے
کہ دو مہینوں کے بعد یہ شعبدہ منقود و معدوم ہو گیا تخت بفتح نون و
سکون خا مجھے و بار موحده ایک شہر کا نام ہے جو ناک ما و راء النہرین
ہے۔ ماہ تخت کو ماہ سیام ہی کہتے ہیں اور کوہ سیام ایک پہاڑ کا نام ہے
جو شہر تخت میں ہے۔ اس شعر کا مضمون یہ ہے کہ جب آفتاب نے ہمارے
مشتوق سے برابری کا دعویٰ کیا تو کارکنان قضا و قدر نے ماہ تخت
کی طرح آفتاب کو چاہ مغرب میں جھونکے یا پھینک دیا۔ اس قبیل کے
اچھے اچھے مضامین بعض اردو کے اور نامور شعرا نے بھی نکالے ہیں چنانچہ
میر سنوارج کہتے ہیں ۛ دعویٰ کیا تھا گل نے اُس رخ سے رنگ و بو
کا ۛ مارین صبا نے دھولیں شبنم نے منہ میں تھوکا۔ میر تقی رح ۛ
کیا خوبی اُسکے منہ کی اسے غنچہ اقل کرے ۛ تو تو نہ بول ظالم بول آتی ہے
درمان سے ۛ ولہ ۛ چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا ۛ جمال

یار نے منہ اوس کا خوب ال کیا۔ مرزا سودا رح **س** برابری کا تری گل نے
جب خیال کیا **و** صبا نے مار پیٹا منہ اُس کا لال کیا۔ میرزا غالب نے
اپنے شعر میں دعویٰ یا برابری کا لفظ حذف کر دیا ہے تاکہ شعر میں وقت
و اشکال پیدا ہو اور جادہ خیال بندی کے مطابق ہو جائے۔

توفیق باندا زہ ہمت ازل سے | آنکھوں میں ہے نقطہ کہ گہر نہو لٹھا

اس شعر میں معاصر اور خطبات پر شرمندگی و خجالت سے گریہ کرنے
اور رونے کی ترغیب تحریریں دی ہے چنانچہ مولوی رومی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں۔ **س** آخر ہر گریہ ماخذہ ایست **و** مرد آخر میں مبارک
بندہ ایست۔ اور معہذا بلند ہمتی کی تعریف کی ہے۔ توفیق = اس لفظ
کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو کسی شے کے ساتھ مساوی بنادینا
اور اصطلاحی یہ معنی ہیں کہ اللہ جل شانہ اسباب نبوی کو مخلوقات
کی خواہش کے مطابق جمع کر دے یعنی جیسی تمنا ہو ویسے ہی سامان
فراہم ہو جائیں تاکہ اُن کی مراد بر آئے۔ اور یہ لفظ صرف امور خیر میں
مستعمل ہوتا ہے۔ مختصر معنی یہ ہیں کہ آرزو کے موافق سامان فراہم
ہونا۔ یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں ہمت = غم اور فکر اور مجازاً ارادہ
بلند کو کہتے ہیں۔ یہاں مجازی معنی مراد ہیں۔ اس لفظ کے اور بھی
کئی معنی ہیں جو لغات کے دیکھنے سے معلوم ہوں گے۔ ازل = وہ
زمانہ جسکو ابتدا نہو۔

دریائے محبت تک آبی سے خشک	میرا سدرن بھی ابھی تر نہ ہوا
---------------------------	------------------------------

یعنی مین گنہگار ہوں۔ تنگ آبی = یہ لفظ مرکب ہے تنگ اور آبی سے۔ تنگ بضم تین اور یہ کاف عربی ہے نہ فارسی۔ تنگ کے معنی میں کم اور تھوڑا۔ اور یا مصدر می ہے تنگ آبی کے معنی میں کم آب ہونا۔ کم پانی والا ہونا۔ تھوڑا پانی رکھنے والا ہونا۔ سدر امن = واسن کا کنارہ۔

جاری تھی آسِ داغِ جگر سو محض	آتشِ کدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا
------------------------------	----------------------------------

یعنی اُس سے پیش تر آتشِ کدہ جاگیرِ سمندر ہو جاے میرے داغِ جگر سے تحصیل جاری تھی یعنی مین آتشِ عشق مین بہت قدیم سے جل رہا ہوں۔ میرے بعد سمندر کو آتشِ کدہ کی جاگیر ملی ہے۔ اس شعر مین شاعر نے اپنی قدیم عاشقی کا ذکر کیا ہے۔ سمندر = ایک جانور کا نام ہے جو چوہے کی شکل کا ہوتا ہے اور آگ مین پیدا ہوتا ہے۔ اور آگ مین رہتا ہے۔ جب آگ سے نکالا جائے تو مر جاتا ہے حضرت قبلہ گاہی مولانا والد مرحوم فرماتے ہیں **سے** روزِ است و عہدِ بلا بود * آن دم کہ کردی نیناد دل من *

شبکہ و مجاہدِ فوزِ خلوتِ ستیا	رشتہ ہر شمعِ خارِ کسوتِ فنا نس تھا
-------------------------------	------------------------------------

یعنی شمعِ جالِ معشوق کے سامنے بے رونق ہو رہی تھی۔ اردو زبان مین

شمع مونث ہے نہ مذکر چنانچہ صبا کہتے ہیں ۵ ہوے پیر ابغ الفت کہاں
 ۶ سحر ہو گئی شمع رخصت ہوئی ۶ و ۵ = یعنی عشوق - شمع = سوم تی رشتہ شمع =
 سوم تی میں جو تاگا ہوتا ہے جس سے سوم تی جلتی ہے اسکو رشتہ شمع
 کہتے ہیں - شاعر نے اس رشتہ کو کاٹا قرار دیا ہے - مگر کانٹے کے معنی
 یہاں حقیقی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں یعنی تکلیف و رحمت و آزار
 خار و پیر اسن بودن فارسی کا محاورہ ہے - شاعر نے اس محاورہ کو اس
 شعر میں برتا ہے - کسوت = بالکسر لباس اور پوشاک کو کہتے ہیں -
 فانوس = عربی زبان کا لفظ ہے اردو میں یہ لفظ مونث ہے - چنانچہ
 برق کہتے ہیں - ۵ کیا تجلی میں کہوں اُس ساعد پر نور کی ۶ آستین
 یار ہے فانوس شمع طور کی ۶ فانوس کی شکل غبارہ سے شبیہ ہوتی ہے
 اور وہ شمع پر ڈھانک دیجاتی ہے تاکہ شمع ہوا سے نہ بجھے اور اُس کی
 تیز روشنی کا بُرا اثر آنکھوں پر نہ ہو کیونکہ فانوس میں سے جو روشنی چراغ
 کی نکلتی ہے وہ دھیمی ہوتی ہے - فانوس باریک کا غذا کا بنا ہوا ہوتا ہے
 اوتیلے اور مہین سسرخ رنگ پارچہ سے بھی فانوس بناتے ہیں - فانوس
 کے حقیقی معنی غماز اور چغلیخوڑ کے ہیں مگر اس غبارہ و ش چیر کو بھی جو شمع
 پر ڈھانکی جاتی ہے فانوس کہتے ہیں کیونکہ وہ چراغ کی روشنی کو نہیں
 چھپاتی گویا روشنی کی غمازی کرتی ہے جیسے چغلیخوڑ کی بات کو پوشیدہ
 نہیں رکھتا - اور یہ مجازی معنی میں فانوس کی شبیہ قفس کے ساتھ
 بھی دیجاتی ہے - فانوس کے جو مرکبات دیکھے گئے وہ یہی ہیں کہ فانوس

باضافت اور فانوس خیالی۔ و فانوس خیال۔ اور فانوس مارچ اور فانوس
 شمع۔ فانوس گردان۔ بکاف فارسی وہ فانوس ہے جس کے اندر مختلف
 چنیروں کی شکلیں تماشے کے لئے بناتے ہیں۔ اور وہ شکلیں نقیدہ کے
 ذہن کے زور سے گردش کرتی ہیں اور فانوس خیالی بھی ایک کہتے ہیں
 فارسی کا کوئی شاعر کیا خوب کہتا ہے **۵** دہر فانوس خیال و عالمی
 حیران در او نہ مردمان چون صورت فانوس سرگردان در او نہ فانوس مارچ
 بھی ایک کہیل اور تماشے کی فانوس ہے۔ مارنگی کو خالی کر دیتے ہیں
 اور باقی ماندہ چمکے کے اندر نقش نگار کرتے ہیں اور اس حلقہ کے
 چرخ میں ایک چرخ روشن کر دیتے ہیں۔ فانوس شمع کا بیان اویر مذکور
 ہو چکا۔ جاننا چاہئے کہ فانوس کا استعمال سنائی روشنی کے زمانہ
 میں متروک ہے۔ مجلس فروز = یعنی مجلس کی روشن کرنے والا یعنی
 حاضر و موجود۔ مجلس فروز حاضر و موجود کی جگہ تعظیماً کہتے ہیں۔ خلوت =
 بالفتح تنہائی مگر یہاں گوشہ اور کنارہ کے معنی میں بقاعدہ جاز مرسل یعنی
 استعمال حال بجا محل۔ شعر کے معنی یہ ہیں کرات کو جو معشوق محفل میں
 موجود تھا تو رشتہ ہر شمع فانوس شمع کے لئے خار در پیر اسن تھا مطلب یہ کہ
 ہمارے معشوق کے حسن و جمال کے روبرو تمام شمعیں بے رونق اور بے نور
 ہیں۔ حسن معشوق کی تعریف کی ہے۔ اسی مضمون کو خواجہ میر درد نے
 طرز سلیس میں اس طرح بیان فرمایا ہے **۵** رات مجلس میں ترے حسن کے
 شعلہ کے حضور شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا میرزا غالب نے

اس مضمون کو پیچیدہ اور مشکل ترکیب میں بیان کر کے ناز کنجالی کی شان دکھائی ہے۔ شب کو اور مجلس فروز خلوت ناموس بود بد رشتہ ہر شمع خار و تو فانوس بود۔ شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا۔

حاصل الفت دیکھا جبر شکست آرزو | دل این پوستہ گویا یک لب فسوس تھا

حاصل الفت ندیدم جبر شکست آرزو | دل بدل پوستہ گویا یک لب فسوس بود
شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا۔ فارسی کا شاعر تنقیدی اثر کرتا ہے
فلک از رشک نلزد و بحال خود دو ہدم را پد بسنگ از یکد گرسازد جدا
بادام تو ام را پد ان دونون شعرون کا مضمون ایک ہے یعنی تفرقہ فی الاحباب کا
مضمون ہے مگر سیرایہ جدا جدا ہی اور دونون شعر لا جواب ہیں۔

کیا کہن خون غم کی فرات کی بیان | جو کہ کہاں خون دل سنت کہیں تہا

کیمنوس بالفج بروزن محسوس۔ یہہ سرائی زبان کا لفظ ہے اور علم طب کے
مستعلق ہے جو چیز جگر اور عروق یعنی رگوں میں تیار ہوتی ہے اسکو کیمنوس
کہتے ہیں اور وہ کف کے مانند ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ غم عشق میں
مجھ کو جگر اور رگوں کا احسان اٹھانا نہ پڑا کیونکہ میں نے کیمنوس جس کا تعلق
جگر اور عروق کے ساتھ ہے نہیں کہا بلکہ میں نے دل کا احسان اٹھایا
کیونکہ خون کہاں جگہ کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ چونکہ آدمی کے جسم میں دل
نسبت دوسرے اعضا کے زیادہ تر شریف ہے لہذا شاعر یہ خیال

کرتا ہے کہ لکا احسان اٹھانا بہتر ہے۔ کیموس کے متعلق بعض اہل تحقیق
 کہتے ہیں کہ کیموس اُس صورت غذا کا نام ہے جو دوسرے طبع میں جگر
 میں پکتی ہے اور وہ صاف شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ
 کیموس نہیں کہا یا۔ بلکہ خون کہا یا ہے مگر کیموس = یعنی بے منت بطحان
 کیموس جو جگر اور عروق میں بقاعدہ حجاز مرسل صحیح ہے یعنی استعمال مضرو
 بجائے طرف۔ اس شعر میں قصیدہ کی شان ہے نہ نزل کی۔
 فراغت و فراغت اس معنی کی کہ بہت سی چیزوں کا احسان اٹھانا نہ پڑا بلکہ صرف
 دل کا احسان ادا کیا۔

صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا

آئینہ کیا پنا سا منہ لیکے لگے

فارسی کا شاعر کہتا ہے میر سدا ز خانہ آئینہ شہسار خون + این پری
 از سایہ خود شد گرفتار خون + یعنی یہ پری اپنے اوپر آپ عاشق ہو گئی
 بسبب کمال حسن و جمال کہ جو اس کو حاصل ہے۔ سایہ بمعنی عکس آتا ہے
 اس فارسی کے شعر سے یہ معامہ ہوا کہ ایسے مضمون کو فارسی کے شاعروں
 نے ہی لکھا ہے۔ درحقیقت اعلیٰ درجہ کا مضمون ہے۔ حسن کی
 تعریف اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ معشوق آپ ہی اپنا گردیدہ
 و دلدادہ ہو جائے۔ اپنا سا منہ لیکر رہ جانا = محاورہ ہے یعنی
 شرمندہ ہونا۔ سوال پورا نہونے کی شرم سے چپے جانا۔ پشیمان ہونا
 و یکہ = یعنی دیکھ کر۔ حرف عطف یعنی کہ حذف کرنا اب متروک ہے

کٹنا = یہاں اشارہ طرف زیادتی کے ہے۔ کٹنا غور تھا یعنی بہت غور
تھا۔ یہ = پر کی جگہ یہ اب متروک ہے۔

قاصد کو اپنے ماتھے سے گردن مارے | اسکی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

قاصد کو = کو اضافی ہے یعنی فارسی کے رے اضافی کا ترجمہ ہے۔
قاصد را گردن = یعنی گردن قاصد۔ قاصد کی گردن۔ فصاحت کے لئے
د کی کے مقام پر (کو) استعمال کیا ہے۔

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لئے ہو | ہوں شمع کشتہ درخورد محفل نہیں ہا

جاتا ہوں = یعنی دنیا سے جاتا ہوں۔ داغ حسرت ہستی = داغ تمنای زندگی
داغ حسرت ہستی اس واسطے لئے ہوے جاتا ہوں کہ مجھ کو دنیا میں جینے اور
زندہ رہنے کی تمنا ہستی مگر موت نے مہلت نہ دی اور اجل نے میرا کام م
کر دیا۔ دوسرے مصرع میں تمثیل ہے۔ ہوں شمع الخ یعنی شمع کشتہ
کے مثل ہوں لہذا محفل دنیا کے قابل نہ رہا۔ داغ غم و اندوہ۔ درخورد
لائق۔ قابل۔

برو شش جہت در آئینہ باز ہے | یاں اتیازنا قصور کامل نہیں ہا

شش جہت یہ ہیں (۱) مشرق (۲) مغرب (۳) شمال (۴) جنوب
(۵) فوق (۶) تحت۔

رشتہ کا ہر اکہ کا غیسے اخلاص حقیق	عقل کستی ہو کہ وہ بے مہر کا آشنا
-----------------------------------	----------------------------------

یعنی وہ غیر کا بھی آشنا نہیں ہے۔ اخلاص۔ دلی محبت۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل چستی ہے	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
--------------------------------------	----------------------------------

مصرع اول میں جو اور ہے وہ عطف ملازم ہے۔ اور مصرع ثانی میں جو اور ہے وہ عطف مجرور ہے۔ یعنی ایک آفت کا ٹکڑا وہ دل چستی جو عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا ہے میرے لئے لازم ہے۔

مئی وہ کیوں بہت بزم غیر میں یار	آج ہی ہوا منظور انکو امتحان اپنا
---------------------------------	----------------------------------

یعنی بزم غیر میں معشوق یہہ چاہتا ہے کہ میرا امتحان کرے۔ اور یہہ دریافت کرے کہ تنگ طرف کون ہے اور کون نہیں۔ لہذا معشوق نے بہت سی شراب پی لی تاکہ شرکائی محفل بھی اُسکی ہمد می کرے کہ زیادہ شراب پیوین۔ مطلب یہہ کہ معشوق غالب کو تنگ طرف اور غیر کو عالی حوصلہ ثابت کیا چاہتا ہے امتحان میں۔ فی الحقیقت معشوق بغرض میرے امتحان کے اپنا امتحان کر رہا ہے۔ اور اس چال میں میرا امتحان منظور ہے۔

سیرِ مفت نظر ہوں مئی قیمت یہ	کہ ہے چشم خریدار یہ احسان میرا
------------------------------	--------------------------------

سیر ہو صوف اور مفت اُسکی صفت ہے اور یہہ مرکب تو صیفی یعنی سیرِ مفت

مضامین نظر کی طرف اور نظر مضامین الیہ ہے اور یہ اضافت تخصیصی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نظر کا سرمہ مفت ہوں۔ اور لفظ مفت کو بغیر اضافت کے بھی پڑھ سکتے ہیں اس طرح (مفت نظر) یعنی نظر مفت دارندہ۔ مفت نظر رکھنے والا (یا) نظر مفت دینے والا۔ اس صورت میں جو دوسری صورت ہے اس ترکیب کو بیدل اور ناصر علی اور غالب کے ترکیب میں سے ایک نئی ترکیب سمجھنا چاہئے اور سالم ترکیب مفت نظر کو جو بلا اضافت کے ہے سرمہ کی صفت قرار دینا چاہئے یعنی مفت نظر ایک علیحدہ ترکیب ہے یعنی میں ایسا سرمہ ہوں کہ مجھ میں نظر مفت بہری ہوئی ہے۔ جو شخص کو یہ عجیبو اپنی آنکھ میں لگا کر فوراً بینا ہو جائیگا بغیر اجرت اور ٹیمپت دینے کے میسر می صورت یہ ہے کہ میں سرمہ ہوں مانند نظر کے یعنی سرمہ تو ہوں مگر سہرا یا گاہ ہوں اور نظری نظر ہوں اور علاوہ ہر ان مفت ملتا ہوں۔ اس صورت میں یہ اضافت تشبیہی ہوئی اور وجہ شبہ سرمہ کی عمدگی اور قوت تاثیر ہے اور ادات تشبیہ کا حذف کرنا جائز ہے جیسے لب لعل چشم ز گس و دل غنچہ یعنی لب مانند لعل و چشم مانند ز گس و دل مانند غنچہ اور وجہ شبہ سرخی و خوشنمائی و گرفتگی ہے۔ سرمہ مفت نظر ہوں بانٹنا لفظ مفت کے یعنی سرمہ مفت مانند نظر ہوں۔ از روئے معنی ان تینوں صورتوں کا حاصل ایک ہے۔ صرف بیان کی نزاکتیں بتلانا مجھے منظور تھا۔

زرد احمبہ سے اس دنگاہ کا

بزم قح سے عیش تمنانہ رکھہ رنگ

اس دامگاہ کا یعنی دامگاہ بزم قہج کا کیونکہ مرزا اس شعر میں بزم قہج کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمین میں میں نے اعلیٰ حضرت قومی شوکت قدر قرار بندگالغالی متعالیٰ حضور پر نور سلطان دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی غزل بے بدل پر تقریب طرح دو غزل کہاتھا اور ایک غزل کے مقطع میں میرزا کے اس مصرع کی تضمین اسطرح کی تھی **سے** غالب نے خوب کہہ دیا واحد کہ رنگ رخ **یہ** صید زدام بہتہ ہے اس دامگاہ کا۔ اس تضمین میں میں نے دامگاہ کے معنی بزم قہج کے ہی لئے میں۔ مرزا نے اس شعر میں بزم قہج کو دامگاہ سے استعارہ کیا ہے کیونکہ شراب کی لذت شراب پینے والوں کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتی ہے۔

مقتل کو کس نشا سے جاتا ہوں کہ ہری | پُر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

مقتل = قتل گاہ۔ نشا ط = خوشی۔ کہ = کاف تعلیل یعنی کیونکہ۔ کس نشا ط سے = یعنی بہت نشا ط سے۔ ہڑے نشا ط کے ساتھ پُر گل پہولون سے بہرہ ہوا۔ یعنی جب میں مقتل کو جاتا ہوں تو خیال زخم کیونکہ میرے آنکھوں میں گلشن کی سیر دکھائی دیتی ہے۔ مقتل اور زخم لہو کی وجہ سے سنج ہوتے ہیں لہذا شاعر نے زخم کے خیال کو گلشن قرار دیا ہے کیونکہ گل کا رنگ بھی سنج ہوتا ہے۔ پہولون کو دامن میں لیتے ہیں لہذا خیال زخم کے پہولون کے لئے نگاہ کا دامن تیار کیا ہے جو دو نون غیر محسوس ہیں

جان درمحوئے بیک گرم ہر آسہ | پروانہ ہے کیل تر ہر داخواہ کا

دیکھئے دل بہار اور دست بکار اور چشم برآواز وغیرہ وغیرہ کیسی عمدہ
 اور دلکش ترکیبین ہیں مگر یہ ایک ترکیب (جان در ہوا سے یک نگہ
 گرم) کس قدر لمبی چوڑی اور طول ہونے کی وجہ سے کس قدر طبیعت کو ناگوار
 گذرتی ہے۔ ایسے ہی ترکیب ہیں جنکی وجہ سے مرزا صاحب دھوم خان
 صاحب ہفت اعتراض پہلوانان سخن کے بجاتے ہیں۔ صرف منتخبہ اور
 چھوٹے سے باب الالف میں میرزا صاحب کے ایجاد کردہ اتنے
 ترکیب موجود ہیں (۱) یک بیابان ماندگی (۲) نشاط آہنگ (۳) یک
 شہر آرزو (۴) رستخیز اندازہ (۵) یک قدم حشت (۶) دو عالم دشت (۷)
 وحشت خرامی (۸) جنون جولان (۹) بخون غلطیدہ صدرنگ (۱۰) یک
 عہدہ میدان (۱۱) یک عمر و سرع (۱۲) درشنکی مردگان (۱۳) فریب
 وفا خوردگان (۱۴) سامان طراز نازش (۱۵) میخانہ نیزنگ (۱۶) مفت
 نظر (۱۷) خود داری ساحل (۱۸) حریف بخشش دریا (۱۹) طاقت آشوب
 آہنگی (۲۰) حیرت کدہ خنونی ناز (۲۱) یک الف بیش نیت (۲۲)
 صورتخانہ خمیازہ (۲۳) خمار نشہ کامی (۲۴) خمیازہ ساحل (۲۵)
 جادہ راہ فنا (۲۶) بیک کف برون صدر دل (۲۷) انداز بخون غلطیدہ
 بسمل (۲۸) برق سوز دل (۲۹) موج سراب دشت وفا (۳۰) دیوانگی
 شوق (۳۱) ہر قدم سایہ (۳۲) سبق شوق (۳۳) جان در ہوا سے
 یک نگہ گرم۔ الف حرف منتخبہ اور چھوٹے سے باب الالف میں یہ
 (۳۳) مرکبات و ترکیب آئے ہیں جو ایران کی فارسی میں ہرگز مستعمل

نہیں ہیں اور جب تک ان ترکیبوں کے اسناد اہل لسان کے کلام کے اندر
 تملین تب تک ان کو صحیح جاننا اور اپنی نظم و شعر میں ان کا استعمال کرنا محض
 قلت تتبع اور خود پسندی و عدم تحقیق سے ہوگا۔ فارسی کے اہل لسان
 ان ترکیب کو سن کر پوچھتے ہیں کہ این کد ام زبان است اور کہتے ہیں کہ اینک
 زبان فارسی نیست حاصل کلام الفاظ کا ایجاد کرنا اور محاورہ و نثر کا اختراع
 عمدہ بات ہے مگر اہل لسان کو زیادہ تر سنسوار ہے اگر غیر ملکی حضرات فارسی کا
 کے زعم پر غیر زبان میں اختراعات کرنا چاہیں تو یہ بات ممکن ہے مگر اسکے
 لئے فوق سلیم درکار ہے اور حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 و قدس اللہ سرہ کی تقلید بہتر ہے کیونکہ کئی اہل لسان کو آپ نے نثر و خط
 نہیں اور میرزا بیدل اور شیخ ناصر علی کے اختراعات کو اہل لسان ہرگز پسند
 نہیں کرتے اسکی وجہ خاص صرف اتنی ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے
 اختراعات فوق سلیم اور جادہ مستقیم سے باہر ہیں بلکہ کبک و طویل و پُر
 تصنع و غیر فصیح و اضافت و اضافت و صفت و صفت و ترکیب متغلو بہ
 بلا وجہ موجب کثرت سے ہوا کرتے ہیں یہی وجوہات ہیں کہ ان صاحبوں کے
 اختراعات مقبول خاص و عام نہیں ہوئے بلکہ چند لوگ اُن کے رواج
 دینے پر تعصب و نفسانیت سے ہٹ دہری اور بیجا اصرار کرتے رہے
 جس میں اُن کو انجام کارنا کامی حاصل ہوئی قاعدہ فارسی کے لحاظ سے
 نشاط آہنگ کے معنی قصید نشاط و ازندہ یا ارادہ نشاط کنندہ کے
 ہو سکتے ہیں مگر میرزا نے اپنے شعر میں اس ترکیب کے کچھ عجیب معنی

لئے ہیں یعنی خوشی کی الاپ رکھنے والا حالانکہ غمی کی کوئی الاپ
 نہیں ہوتی پھر خوشی کی الاپ چہ معنی وارد اگر غمی کی الاپ ہو اور اسکے
 مقابلے پر اور اسکی ضد میں خوشی کی الاپ کہا جائے تو ترکیب مربوط
 و چسپان ہوگی کیونکہ الاپ کو غم سے کوئی تعلق نہیں مرزا نے اس ترکیب
 کے جو معنی لئے ہیں وہ بھی اہل سان کے پاس مقبول و پسندیدہ
 ہو نہیں سکتے دیگر وحشت خرامی - خراسیدن کے معنی ناز سے چلنے
 اور ٹپکنے کے ہیں وحشت کو خرام سے کیا تعلق لہذا یہ ترکیب بھی غیر مربوط
 ہے و حق علیٰ ہذا القیاس کہان تک لکھ سکتا ہوں اسکو لئے
 تو ایک دفتر ضخیم و علیحدہ بلکہ دفتر وہ متن درکار ہے صرف میں نے ترکیب
 لکھ دی ہے میں سمجھنے والے سمجھیں اور مخطوط ہوں میرے استاد شفیق و عم
 معظم مولوی حکیم عبدالواسط صاحب المتخلص بہ عشق مرحوم و مغفور فرمایا
 کرتے تھے کہ میرزا غالب کو شاعری میں طبع خدا داد حاصل تھی اور وہ علی
 درجہ کے شاعر تھے مگر میرزا صاحب کو علم و فضل نہیں تھا اس وایت سے
 میرزا شاہم ہے کہ میرزا صاحب کی شاعری پر کوئی صاحب انگشت اعتراض
 نہیں رکھ سکتے کیونکہ ان کا شاعرانہ خیال بالکل چھوٹا اور موثر اور ناخوش
 ہے مگر طرز خیال لبندی اور اختراع ترکیب فی الحقیقت عام طور پر بلا تخصیص
 خلل انداز اور قابل اعتراض بلکہ لائق اصلاح ہے - میرزا صاحب کے
 تصنیفات فارسی وارد و خصوصاً تصنیفات فارسی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اس قسم کی سیکڑوں ترکیبیں اپنی رائے اور طبیعت سے انہوں نے ایجاد کی تھیں

جب کا نتیجہ یہ ہے کہ گوہ کندن و گاہ براؤرن اور اہل سان اور وہ فصحا سے
 بلاغت شعرا جو اہل سان کے مقلد اور پیرو ہیں اُن تراکیب کو دیکھ کر ہل اور
 بے معنی کہا کرتے ہیں اور ایسے تراکیب کا غیر مانوس طبیعت ہونا تو ایک
 قطعی و یقینی بات ہے۔ مؤمن خان صاحب کا بھی یہی حال ہے۔ ان
 صاحبوں کی استادمی میں کوئی کلام نہیں بلکہ خداوندان سخن میں مگر جو
 عیب ہے وہ عیب ہے اور جو نہر ہے وہ نہر ہے۔ ان صاحبوں کا کلام اچھی
 اور بُری ترکیبوں کا مجموعہ ہے۔ جو کلام اچھا ہے وہ لا جواب ہے۔ خاص
 و عام کے دلون پر جا دو کا کام کرتا ہے اور جو تراکیب اسالیب ہٹ
 دھرمی اور خود پسندی سے بنائے گئے ہیں وہ کہیں در کسی وقت میں فصحا
 سان بلکہ اہل سان کے پاس مقبول ہو نہیں سکتے بلکہ ہمیشہ وہاں سے
 بے معنی و جفنگ کا خطاب ملا کرتا ہے۔ مرزا صاحب کتاب غود بندہ
 میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک ترکیب اہل سان سے اخذ
 کی ہے مگر اُن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے چنانچہ دیکھئے فریچ آہنگ کے
 ایک رقعہ میں لکھتے ہیں فرود آمدن جا سے من در کلنتہ بھینڈی
 بازار است۔ یعنی فرود گاہ من در کلنتہ بھینڈی بازار است۔ اہل سان
 یا منترل کہیں گے یا فرود گاہ کہیں گے مگر منترل کی جگہ میں اتنا لمبا چوڑا
 لفظ اور وہ ہی مقلوب التریب یعنی فرود آمدن جا ہرگز نہ کہیں گے
 اگر کسی شخص کو اس ترکیب کی صحت کا دعویٰ ہو تو محکم یہ ترکیب
 اہل سان کے کلام میں دکھا دے۔ اور فرود آمدن جا کی رکاکت ظاہر

کوئی فصیح آدمی اس نقطہ کو فرو نگاہ یا منزل کی جگہ کہہ نہیں سکتا اور یکدم
 وحشت اور دو عالم دشت اور یک بیابان ماندگی اور یک زانو تا مل اور یک
 شہر آرزو اور ستیخیز اندازہ اور نشاط آہنگ اور وحشت خرامی وغیرہ وغیرہ
 تراکیب ہندیوں اور خصوصاً خیال بندوں کے بنائے جمعے ہیں اور اہل لسان
 ان ترکیبوں کے موجد نہیں ہیں اور قلم و ایران میں ان ترکیبوں کو اور ان
 معنوں کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ اُن کی زبان نہیں ہے لہذا اہل
 لسان جب ان ترکیبوں کو سنتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ این کدام زبان
 اور کہتے ہیں کہ این زبان فارسی نیست + ایجاد اور تلاش اور تراشش تو
 اچھی چیزیں ہیں مگر مقبول اور معقول اور پسندیدہ تلاش و تراش آسان
 نہیں ہے اور ایک دو شخصوں سے یہ کام ہو نہیں سکتا بلکہ اس کام کے لئے
 اہل علم کے مجالس اور اتفاق آرا اور مجاورہ کی پابندی اور لغت کی نگہداشت
 اور تراکیب کی خوش وضعی اور قبولیت خاص و عام ضروری چیزیں ہیں۔
 اسدء مبتدا اور جان در ہوا می یک نگہ گرم اسکی خبر اور ہے رابطہ
 پروانہ چراغ پر گر کے جلجاتا اور فنا ہو جاتا ہے۔ جب تیرے دادخواہ
 کے وکیل کی حالت پروانہ کی طرح ہے تو خاص تیرے دادخواہ کا
 حال کیا کہنا وہ تو تیری ایک نگاہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ جہاں تو نے
 ایک نگاہ کی بس اسکا کام تمام ہو گیا۔ جان در ہوا سے یک نگہ گرم اہل لسان
 کی ترکیب نہیں ہے اور اس ترکیب کے صحیح ہونے میں بہت کچھ تاثر ہے
 اور یہ ترکیب بسبب اپنی طوالت و طول لا طائل کے نہایت درجہ کی

غیر فصیح در کیا ہے۔ ہوا کے معنی یہاں آرزو اور خواہش کے ہیں۔

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا | کہتے ہیں ہم تجھ کو نہ کہلاؤں کیا

یہ یعنی استثنا۔ باز آئیں کیا مقولہ معشوق کا ہے۔ جور سے باز آئے یعنی جور سے معشوق باز آیا۔ جور سے وہ باز آئے۔ یا ہم باز آئے اس صورت میں سالم مصرع معشوق کا مقولہ ہو گا۔ اس غزل میں کہلاؤں لطف اور کہلاؤں۔ گھبراؤں وغیرہ قافیہ ہے۔ دو نو مصرعون میں کیا نفی کیواسطے آیا ہے۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان | ہو بیگا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا

یعنی مفلسی میں گھبرانانا چاہئے بلکہ صبر کرنا چاہئے۔ کیا عمدہ فلسفیانہ مضمون ہے۔ سات عدد اور آسمان عدد دو ہے۔ اردو میں معدود اکثر جمع آتا ہے مگر کہیں واحد بھی آتا ہے اور آسمان ایسا لفظ ہے جو واحد و جمع دونوں میں مستعمل ہے۔ کیا = نفی کیواسطے ہے۔ کیا گھبراؤں یعنی نہ گھبراؤں۔ گھبرانانا چاہئے۔

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ | جب نہ کچھ بھی تو ہو گا کہائیں کیا

لاگ = دشمنی۔ عداوت۔ لگاؤ = محبت دوستی۔ دہو کا کہانا = یعنی فریب کہانا۔ کیا = نفی کیلئے ہے یعنی دہو کا نہ کہائیں۔

ہوئے کیون نامہ بر کے ساتھ ساتھ	یار اپنے خطا کو ہم پہنچائیں کیا
--------------------------------	---------------------------------

کیا استفہام کے لئے ہے۔ نامہ بر۔ یعنی قاصد۔

موج خون سے گزری کون سب	آستان یار سے اٹھ جائیں کیا
------------------------	----------------------------

کیا نفی کے لئے ہے یعنی ہم آستان یار سے نہ اٹھیں گے اگرچہ موج خون ہمارے سر سے گزر جائے۔

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	مر گئے پر دیکھے دکھلائیں کیا
-------------------------------	------------------------------

عمر بھر = تمام عمر۔ راہ دیکھنا۔ انتظار کرنا۔ مر گئے پر۔ یعنی مرنے کی راہ دیکھنا۔ استفہام کے لئے ہے یعنی دیکھے کیا دکھلائیں گے۔ قائل اپنے کو شخص غیر قرار دیکر پوچھتا ہے۔

بوچھے میں وہ کہ غالب کون ہے	کوئی تباؤ کہ ہم بتلائیں کیا
-----------------------------	-----------------------------

کہ = دونوں مصرعوں میں بیان کے لئے ہے۔ اور مصرع ثانی میں کاف تردید ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی کوئی تباؤ یا ہم بتلائیں کیا۔ استفہام کے لئے ہے۔

لطاقت ہے کثافت چلو اگر نہیں سکتی	چمن نگار ہے آئینہ باد بہاری کا
----------------------------------	--------------------------------

باد بہاری کو سبب لطافت کے آئینہ فولادی قرار دیا ہے۔ چونکہ آئینہ فولادی ہے

زنگ آتا ہے اور زنگ سبز زنگ ہوتا ہے لہذا چمن کو جو باغبان برگ اشجار کے سبز ہوتا ہے آئینہ باد بہاری کا زنگ مقرر کیا ہے اور چونکہ باد بہاری لطیف چیز ہے اور بمقابل اوس کے برگ اشجار کثیف شے ہے لہذا یہ نتیجہ نکالا کہ لطافت بغیر کثافت کے حاصل ہو نہیں سکتی۔ مطلب یہ کہ جیسے دنیا میں غم و شادی تو امین اس طرح لطافت و کثافت کا حال ہے اور وہ ہی تو امین۔ جلوہ پیدا کرنا = ظاہر ہونا۔ وجود میں آنا۔

حریف جوشش دریا نہیں داری ساحل | جہان قی ہو باطل ہی دوشیاری کی

ساقی کو دریا سے موج سے اور جوشیاری کو ساحل سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب دریا کی موج خوب طغیانی کرے تو ساحل پانی میں غرق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جہان ساقی ہو اور وہ ناز و انداز سے خوب بادہ پیمائی کرے تو وہاں لوگ شراب پی پی کر مت و بیہوش ہو جاتے ہیں اور جوشیاری باقی نہیں رہتی لہذا ساقی کے مقام پر جوشیاری کا دعویٰ غلط ہے۔ ساقی کی بے تکلفی و ناز و انداز کو (دیا) ساقی کے حسن و جمال روز افزون کو جوشش دریا قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب ساقی کو دریا قرار دیا ہے تو ساقی میں جوشش دریا کیا چیز ہوگی۔ ؟ دریا میں جوشش دریا پانی ہے۔ اور ساقی میں ساقی کی جوشش ناز و انداز یا حسن و جمال یا سخاوت و کرہی ہوگی۔ مگر اس شعر میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ ساقی کو جوشش دریا کے ساتھ تشبیہ سجائے یعنی جہان جوشش دریا ہو ہی وہاں ساحل غرق آب ہو گیا اسی طرح جہان

ساقی ہوا ویاں ہوشیاری غائب ہو گئی۔ دونوں معنون کا حاصل ایک ہے اور بلحاظ ان معنون کے (تو) صرف رابطہ ہوگا۔ اور اس شعر میں (تو) ضمیر واحد حاضر بھی صحیح ہے یعنی اسے معشوق جہاں تو ساقی ہوا اور جس جگہ تو ساقی گری کرے الخ۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا | درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

اس شعر میں علمِ مقصود کا مشہور سلیاں دیا ہے۔ کہ راحت فنا فی اللہ ہو نہیں ہے قطرہ تمثیلِ انسان اور دریا تمثیلِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ جب درد اپنی حد سے گزر گیا تو دوا کا رگر اور موثر نہو ہی اور جب دوا موثر نہو تو قریض ہلاک ہو گیا۔ اب قائل نے ہلاک ہو جانے کو دوا ہو جانا قرار دیا ہے کیونکہ مریض کا مقصود تو ہلاکی تھا نہ صحت و تندرستی۔ اور مریض فنا کو شفا اسوجہ سے خیال کرتا ہے کہ فنا فی اللہ کا درجہ اسکو حاصل ہوتا ہے۔ جو اسکا عینِ مطلوب ہے حاصل یہ کہ عشرتِ انسان کی فنا فی اللہ ہو جائیں۔

تجربے سے قسمت میں ہی تصورِ قفلِ بجد | تھا الکہا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

صورتِ قفلِ بجد = یعنی قفلِ بجد کی مانند قفلِ بجد کی طرح۔ اس شعر میں بات کے بنتے سے وصل کی بات بننا مراد ہے۔ اور قائل کا مقصود یہ ہے کہ جب وصل کی بات بنگلی تو میں معشوق سے جدا ہو گیا جو میرے لئے کمال تیرہ بختی اور نہایت بد قسمتی ہے۔

دل ہو کشمکش چارہ رحمت میں تمام مٹ گیا گیسے میں اعتقدہ کا واہو جانا

چونکہ عقدہ چھوٹی چیز ہوتی ہے لہذا گیسے سے مٹ جاتی ہے۔ جب مٹ گئی تو اُس کا وجود نہ رہا گویا واہو گئی۔ شاعر نے عقدہ کے مٹ جانے کو واہونا یعنی کہلنا قرار دیا ہے۔ دل کو عقدہ کے ساتھ تشبیہ ہے۔ دل مشبہہ اور عقدہ مشبہہ۔ رحمت سے وہ رحمت دل مراد ہے جو فراق یا رکیو جہ سے یا عشق یا کے سبب سے تھی۔ تمام ہونا = مرجانا مصرع ثانی میں دل کی تمثیل ہے عقدہ کے ساتھ۔ عقدہ = یعنی گرہ۔ شعر کا مطلب ظاہر ہے یعنی ہمارا دل رحمت عشق کی تدبیر اور چارہ گری میں مصروف ہوا۔ مگر اس چارہ گری میں ہمارے دل کو کچھ ایسی کشمکش اور کشاکش ہوئی کہ چارہ دل خود ہلاک ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ دل ایک گرہ کی مانند تھا اور کشمکش چارہ گیسے کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی اسی لئے دل کشمکش میں معدوم ہو گیا اور جب دل معدوم ہو گیا یعنی مٹ گیا تو گویا چارہ گری میں کامیاب ہوا اور تدبیر کر چکا گرہ کی مانند کہ جب گیسے میں مٹ گئی تو گویا کھل گئی۔ اور مٹ جانا ہی مطلوب تھا کیونکہ ہم گرہ کو کھولنا چاہتے تھے۔ جب گرہ مٹ گئی تو واہو گئی اور مقصود حاصل ہو گیا اس شعر کا مصرع ثانی یعنی مصرع مٹ گیا گیسے میں اس عقدہ کا واہو جانا۔ مطلع کے مصرع ثانی کے ساتھ یعنی مصرع درد کا حصے گزرنا ہے واہو جانا۔ ملتا ہوا ہے اور دونوں مصرعون کا مضمون قریب قریب واقع ہوا ہے۔ واہو جانا = کہل جانا۔ کشادہ ہو جانا۔ واگرنا۔

اسکا متعدی ہے۔

اب جفا سے بھی مین محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمنِ باب و فاء ہو جانا

اب = یعنی زمانہ موجودہ میں۔ جفا = ظلم و ستم۔ محروم = حرمان زدہ
 بے نصیب۔ اللہ اللہ = اس مقام پر تعجب و تحیر کی واسطے آیا ہے۔
 بھی = شرکت کی واسطے آتا ہے۔ اس قدر = یہاں اشارہ طرف زیادتی
 اور افزونی کے ہے یہ لفظ مقدار اور اندازہ بتانے کے لئے آتا ہے اور اتنا
 کا مترادف ہے ار باب و فاء = وفا کے پالنے والے یعنی عاشقانِ صادق
 ار باب کا واحد رب ہے دشمن = یہ لفظ دش اور من سے مرکب ہے۔ دش
 کے معنی بُرا اور زشت آئے ہیں اور من بمعنی دل آیا ہے۔ جو شخص دل زشت
 رکھتا ہو اس کو دشمن کہتے ہیں۔ دشمن یعنی بد دل و بد خواہ اور ایک
 دوسرے کی ضد۔ یہ لفظوں کے معنی ہوئے مگر یہاں زیادہ تر قابل ذکر
 یہ بات ہے کہ مرزا کا یہ شعر نظیری نیشا پوری رحم کے اس شعر سے ملتا ہوا
 بلکہ ماخوذ ہے شمع بے شعلہ بہ پروانہ فرستاد آن دوست کہ با نام
 روان کرد و عتابے نہ نوشت کہ اور موسوی خان فطرت رحم فرماتے ہیں
 در تمنا سے جفا سے خویش کشتن صید را کہ اختراع مہربانی کا
 صیاد من است کہ یعنی معشوق جفا بھی نہیں کرتا ہے۔ اور معشوق نے
 اس لئے ترک جفا کی ہے کہ عاشقانِ صادق کو جفا می معشوق میں بھی
 مزہ آتا ہے۔ کیونکہ جفا بھی ہے تو اُسی کی جفا ہے اور اپنے محبوب کی طیر سے ہے

بس اسی ایک نسبت سے عاشقان صادق عین جو رجحان میں فرسے اوڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی اُن کی جفا کے سزاوار ہوئے جب معشوق جفا پیشہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اُس نے جفا کرنا ہی ترک کر دیا۔

ضعف سے گریہ سب دل دم نہ ہوا | باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہونا

جب تک پہلو طاقت اور قوت تھی تب تک ہم روتے تھے اور گریہ کرتے تھے جب ہماری قوت اور طاقت جاتی رہی اور ضعف و ناتوانی آگئی تو اب ہم ٹھنڈی آہیں کرنے لگے۔ اس شعر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رونے کیلئے طاقت چاہئے اور ضعف کی حالت میں آہ کرتے ہیں۔ دم۔ بمعنی آہ اور زور اور سکی صفت ہے حکما جو کہتے ہیں کہ پانی ہوا بنکر اُڑ جاتا ہے تو ہم کو اپنی اس حالت سے یعنی زوال گریہ و عروج آہ سے باور آیا یعنی یہ بات صحیح ہے ظاہر ہے کہ گریہ پانی اور آہ ہوا ہوتی ہے۔

دل سے ٹٹا تری انگشت خانی خیال | ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہونا

ٹٹا = محو ہونا۔ زائل ہونا۔ انگشت خانی = خانی میں جو رہا ہے یہہ یا سے نسبتی ہے۔ انگشت خانی یعنی خا والی انگشت۔ وہ انگشت جو ہندی کے رنگ سے سرخ ہو۔ اس شعر میں انگشت کے معنی ماتہ اور نیچہ کے بین از روی قاعدہ مجاز مرسل یعنی استعمال جبر و بجای کُل درست ہے خیال = بالکسر تصور و گمان۔ اس لفظ کی حرکت میں اختلاف ہے اکثر صاحبان

نفت لکھتے ہیں کہ بالفتح ہے مگر فارسی واسے بالکبر لوتے ہیں۔ اور قوت متحیلہ کو بھی خیال کہتے ہیں۔ جدا ہو جانا علیحدہ ہو جانا۔ الگ ہو جانا۔

میں مجھے بہار کی برسی کر کھلنا	روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
--------------------------------	-----------------------------------

ابر بہاری = بہاری میں جو یا ہے یہ یا سی نسبتی ہے۔ مجھے = یعنی میرے لئے۔ روتے روتے = اسم حالیہ ہے۔ مزانے انس ایک چوٹی سی غزل میں فنا ہو جانیکا مضمون تین جگہ باندھا ہے (۱) عشرت قطر ہے دریا میں فنا ہو جانا (۲) دل ہوا شکش چارہ رحمت میں تمام (۳) روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا۔ شعر اسے قدیم ایک ہی غزل میں تکرار مضمون اور تکرار قافیہ کو نا جائز جانتے تھے مگر متاخرین کے پاس جائز ہے۔ بلکہ ایک مضمون کو کئی طرح سے ادا کرنا اور ایک قافیہ کو کئی طور سے باندھنا خواہ ایک غزل میں ہو خواہ متعدد غزلوں میں ہو مگر تازہ اور عمدہ اسلوب سے ہو تو اسکو کمال سمجھتے ہیں۔

گر نہیں نگہت گل کو تیری کوچہ کی سبوح	کیونکہ گردہ جولان صبا ہو جانا
--------------------------------------	-------------------------------

یعنی نگہت گل کو تیرے کوچہ میں آنے کی ہوس ہے۔ اس شعر میں کوچہ معشوق کی تعریف و توصیف ہے یعنی کوچہ معشوق ایسا معطر و معبر و غیرت گستان شک باغ و بوستان ہے کہ نگہت گل کو بھی دمان آنیکی ہوس لگی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ نگہت گل نہایت لطیف اور مفرح چیز ہے جسکی شائق ہیں۔

تاکہ تجھ پر کہلے اعجاز ہوا صیقل | دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا جانا

یعنی صفائے باطن سے آدمی کو سبز بنی اور نجاتِ آخرت حاصل ہوتی ہے
یہاں صیقل کے مجازی معنی یعنی صفائی باطن مراد ہیں۔ کہلے = یعنی
ظاہر ہووے اور یہ لفظ آئینہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ آئینہ کشادہ
اور کہلا ہوا ہوتا ہے۔ لفظ ہوا اور برسات اور سبز صنعتِ مرعاتِ انطیر ہے
بیان ہوا بمعنی آرزو و تمنا آیا ہے اور حقیقی معنوں کے لحاظ سے برسات کے
ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ آئینہ فولادی کا سردی سے زنگ بستہ ہو جانا
ایک معمولی بات ہے۔ اسکو مرزا صاحب نے جو اعجاز کہا ہے پھل تامل
ہے کیونکہ اعجاز کی تعریف یہ نہیں ہے۔

بخشے ہی جاوے گل و فاقہ شاداب | چشم کو چاہے ہر رنگ میں وا ہو جانا

جب چشم ہر رنگ میں وا ہو جائیگی تو اسکو وحدۃ الوجود کا نظارہ حاصل ہوگا
اور ہر رنگ میں اسی کو یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کو دیکھے گی۔ یہ علم تصوف
کے خطبات ہیں جو شریعتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دینِ آسمانی
کے برخلاف ہیں اور ہمہ اوست کا مسئلہ شریعتِ غرامی محمدی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے پاس نامقبول ہے منصور اور سرمد کا قصہ مشہور ہے کہ یہ دونوں
انہیں لغویات کی وجہ سے صاحبانِ شریعت کے حکم اور فتوے سے قتل ہوئے
غالب = منادی یعنی اسے غالب۔ بخشے ہے = اب متروک ہے
اسکی جگہ میں بخشا ہے یا بخشے گا کہتے ہیں۔ وا ہو جانا = کہل جانا۔

مرزا صاحب نے آنکھ کی جگہ چشم سے لکھا ہے کہ اس کی طبیعت زبان فارسی
کی دلدادہ ہے اور دوسری وجہ خاص یہ ہے کہ اس مقام چشم کا لفظ
بہ نسبت آنکھ کے زیادہ تر خوشنام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں لفظ چشم پر زور
دیکر پڑھنے سے تاکید کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور یہ موقع تاکید کا ہے
بہر حال بیان آنکھ سے لفظ چشم بہتر ہے کیونکہ فصاحت و جدانی امر ہے
اور یہاں لفظ چشم کا استعمال مقتضائے فصاحت ہے۔

تالیف

خاتمۃ الطبع از طرز مصنف

الحمد للہ تعالیٰ کہ اس شرح کا پہلا حصہ ختم ہوا اور میری کوشش اور میرے
مال سے بطع فخر نظامی واقع حیدر آباد دکن میں چھپ گیا۔ امید ہے
کہ اسکے دوسرے دو حصے بھی بہت جلد شائع ہوں گے مگر صرف میری
کوشش اور میرا مال کہاں تک ملتی ہو سکتا ہے۔ جب تک امرائے دیہات
اور حکام با فخر و مرتبت تو جن بکریں امید نہیں کہ دوسرے حصے شائع ہو سکیں
کیونکہ فارسیوں کا قول ہے ۵۔ مہر تاجر بہ معلوم شد پس از سی سال
کہ قدر مرد بعلم است و قدر علم بال ۶۔ بہر حال دوسرے حصوں کی چھپانے
میں خاکسار سعی کریگا کیونکہ اس کام میں زبان اردو اور شعر و سخن کی

ترقی مقصود ہے اور خیا البندی کی پیچیدگیان پہلک پر منکشف ہوتی ہیں
 میں بیدل اور ناصر علی اور شوکت اور جلال اسیر اور ظہوری اور
 غالب اور مومن کا بدل مقصد ہوں مگر اُن کے اختراعات ہیجا
 اور خیالات سرور گم سے نہایت متنفر ہوں اور اس باب میں مضامین اہل
 لسان کا مقلد و مقتدی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس محقر شرح کو بقای
 دوام اور قبولیت خاص و عام عطا کرے اور فتنہ پردازوں کے شر و فساد
 سے محفوظ رکھے۔ آمین آمین۔

نوٹ از طرف مصنف

میں نے اس شرح کو بطور ضمیمہ کے لکھنا شروع کیا تھا مگر جب لکھنے بیٹھا
 تو میرے ذہن میں پست و بلند اور طب و یا بس مضامین اس کثرت سے
 آگئے اور صفحہ کا غدر پر لکھے گئے کہ صرف باب الالف کا حجم آٹھ جزو سے
 زیادہ ہو گیا۔ چونکہ ضمیمہ نسبت اصل کتاب کے چھوٹا ہونا چاہئے تھا
 لہذا میں نے اس شرح کو ایک علیحدہ شرح قرار دیا ہے مگر اس کو
 واثوق صراحت کے ساتھ پورا تعلق حاصل ہے۔ یہ سمجھ لیجئے
 کہ غیر مکمل شرح کو میں نے مکمل کر دیا ہے۔ ناظرین سے
 امید ہے کہ میری تحریر میں کہیں کوئی غلطی یا نین گے تو براہ کرم چشم
 پوشی فرمائیں گے کیونکہ فارسی کا دانشور کہتا ہے بیوش
 گر بخطائے رسمی طعنہ مزین کہ بیچ نفس بشر خالی از خطا بنود۔

اس کے دوسرے حصے بشرط قدرانی گورنمنٹ شایع ہوں گے فقط

والسلام خیر الختام

غزل زبان فارسی طبع مراد مصنفین شرح فرزند حضرت امام حرم

حسن و خوبی را چو آن شک قمری پرورد
زلف پر چین تو در چین شور و شرمی پرورد
روئے پر نور تو انوار سحر می پرورد
بوسہ ہنگام آن لب شیرین شکر می پرورد
دل کہ خود را از برے نیشتر می پرورد
پاک طینت را دعالے لے اثر می پرورد
دیدہ من اشکبار و سینہ تو پر غبار
شنا دو نیم دارد او اگر یہ لے عاشقان
عاشقان دانند کا ندر دور خود عشق کسے
باز گرد جان ماگز بند آن گل سوسے ما
گر قومی آوردی آرزو جای بولودی چہ خوب
بسکہ درد و غم غذای عاشقان شد در ازل
عمر تان باد اور از وجاہ تان باد بلند
بسکہ در خون می تپد ہر دم ز آواز خوش

عشق و الفت را از من داغ جگر می پرورد
طرہ شوریدہ سودا ہے دگر می پرورد
زلف مشکین تو شب تار یکتر می پرورد
وان دمان غنچہ سان مشک ترمی پرورد
نالہ ماراد بدم چون نوہ گرمی پرورد
بوالہوس را زہری ہا تازہ ترمی پرورد
راست سیکویم کہ ہر یک بحر و بر می پرورد
آسے آن سرور دان چشم ترمی پرورد
داغ دل درد جگر ضعف بصری پرورد
عاشقان جان بلب آن نظر می پرورد
لے صبا جان مرا آن خاک در می پرورد
از و فور رشک جانم نامہ برے پرورد
پادمان اسے نالہ ہا جان جگر می پرورد
گوئی اندر دل من نیشتر می پرورد

عاشق و الفت را از من داغ جگر می پرورد
طرہ شوریدہ سودا ہے دگر می پرورد
زلف مشکین تو شب تار یکتر می پرورد
وان دمان غنچہ سان مشک ترمی پرورد
نالہ ماراد بدم چون نوہ گرمی پرورد
بوالہوس را زہری ہا تازہ ترمی پرورد
راست سیکویم کہ ہر یک بحر و بر می پرورد
آسے آن سرور دان چشم ترمی پرورد
داغ دل درد جگر ضعف بصری پرورد
عاشقان جان بلب آن نظر می پرورد
لے صبا جان مرا آن خاک در می پرورد
از و فور رشک جانم نامہ برے پرورد
پادمان اسے نالہ ہا جان جگر می پرورد
گوئی اندر دل من نیشتر می پرورد

حسرت پرواز تا افزون کند اندر دلش
 شوق دل کرد دست پایم را سیر اسیر بله
 طره تر سحر لیت لے یاران کا شاگردی
 تیز طبعان را بهر جا قدر و منزلت نیست
 بے سہر جا رود از فاقہ مرگ نجات است
 فتنے عجب گر سہر بلند ساز از لطف عیم
 کو چہ ات را کو چہ آئینہ نامی خوشتر است
 سنگ جو را می محبت بر شان مزن ہشیار است
 راہ استدلال بگذار از تو خواہی عافیت
 بہت کار استان آوردن مضموخوش
 میر محبوب علیخان شاعران ہرا
 ہم رعایا و بریاد علوم و ہم فنون
 فیض بخشی عطا و الملک از من پیر

آن شکاری صید خود را بال پر می پرورد
 خار ماے راہ را این را سہر می پرورد
 دو جہاں سخت یک موعے کمر می پرورد
 سنگ و خود زان نہاں از ما سہر می پرورد
 با جہر داند کہ آدم را سہر می پرورد
 آن خداوندیکہ اینجا خیر و شر می پرورد
 زانکہ عکس حسن تو دیوار در می پرورد
 کاندہر اینجا شیشہ مارا شیشہ گرمی پرورد
 اسے بہا دزدان بد این بگذر می پرورد
 زانکہ شیرینی و شکر نیشکر سے پرورد
 بیشتر از بیشتر از بیشتر سے پرورد
 بیشک این شاہ نکوی داد گرمی پرورد
 اہل علم و خاندان را بے خطر می پرورد

طرز گفتار تو و اجداد تو دہ بامی عشق را
 انسین صد آفسرین بس مختصر می پرورد

۱۵
 خداوند ملکہ و دولہ -

علیخان فیض آباد آریبل نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی ناظم تعلیمات
 دیر یوٹ سکریٹری اعلیٰ حضرت حضور نظام الم اقبالہ ۱۲ واجد غنی عنہ

